43

26 نومبر 2003ء — یکم شوال 1424ھ

ہفت روزہ

# ندائے خلافت

لاہور

www.tanzeem.org

عید مبارک!

- گھریلو تشدد کے انسداد کا بل (خطابِ جمعہ)
- مسلمانانِ عالم کا عظیم الشان تہوار (فیچر)
- سید احمد شہید کی جماعت (آخری قسط)

## عید الفطر کی نماز

''سنن ابوداؤد'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو اہلِ مدینہ (جن کی کافی تعداد پہلے ہی سے اسلام قبول کر چکی تھی) دو تہوار منایا کرتے تھے اور ان میں کھیل تماشا کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن سے پوچھا کہ ''یہ دو دن جو تم مناتے ہو'ان کی کیا حقیقت اور حیثیت ہے؟ (یعنی تمہارے اِن تہواروں کی کیا اصلیت اور تاریخ ہے؟) انہوں نے عرض کیا کہ ہم جاہلیت میں (یعنی اسلام سے پہلے) یہ تہوار اسی طرح منایا کرتے تھے (بس وہی رواج ہے جو اب تک چل رہا ہے)۔ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے اِن دو تہواروں کے بدلے میں ان سے بہتر دو دن تمہارے لئے مقرر کر دیئے ہیں (اب وہی تمہارے قومی اور مذہبی تہوار ہیں) یعنی یوم عید الاضحیٰ اور یوم عید الفطر

''صحیح بخاری'' اور ''صحیح مسلم'' میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ تشریف لے جاتے تھے۔ سب سے پہلے آپؐ نماز پڑھاتے تھے۔ پھر نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف رُخ کر کے خطبے کے لئے کھڑے ہوتے تھے اور لوگ بدستور صفوں میں بیٹھے رہتے تھے۔ پھر آپؐ اُن کو خطبہ اور وعظ و نصیحت فرماتے تھے اور احکام دیتے تھے اور اگر آپ کا ارادہ کوئی لشکر یا دستہ تیار کر کے کسی طرف روانہ کرنے کا ہوتا تو آپؐ اس کو بھی روانہ فرماتے تھے یا کسی خاص چیز کے بارے میں آپ ﷺ کو کوئی حکم دینا ہوتا تو اسی موقع پر وہ بھی دیتے تھے' پھر آپؐ عید گاہ سے واپس ہوتے تھے۔

جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا' حضور ﷺ کا عام معمول یہی تھا کہ عیدین کی نماز آپ مدینہ طیبہ کی آبادی سے باہر اس میدان میں پڑھتے تھے' جس کو آپؐ نے اس کام کے لئے منتخب فرما لیا تھا اور گویا (عید گاہ) قرار دے دیا تھا۔ اس وقت اس کے گرد کوئی چہار دیواری بھی نہیں تھی' بس صحرائی میدان تھا۔ لوگوں نے لکھا ہے کہ مسجد نبویؐ سے قریباً ایک ہزار قدم کے فاصلے پر تھا۔ آپؐ نے عید کی نماز ایک مرتبہ بارش کی مجبوری کی وجہ سے مسجد شریف میں بھی پڑھی ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عید کے دن نماز و خطبہ کے بعد عید گاہ ہی میں اعلاء کلمۃ الحق کے لئے مجاہدین کے لشکر اور دستے بھی منظّم کئے جاتے تھے اور وہیں سے ان کو روانہ اور رخصت کیا جاتا تھا۔

ماخذ: معارف الحدیث

تحریر: مولانا محمد منظور نعمانی

# سورۃ البقرۃ (آیت 261-263)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۝ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ۝﴾

''جولوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان (کے مال) کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیں اگیں اور ہر ایک بال میں سوسو دانے ہوں' اور اللہ جس (کے مال) کو چاہتا ہے زیادہ کرتا ہے۔ وہ بڑی کشائش والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ جولوگ اپنا مال اللہ کے رستے میں صرف کرتے ہیں پھر اس کے بعد نہ اس خرچ کا (کسی پر) احسان رکھتے ہیں اور نہ (کسی کو) تکلیف دیتے ہیں ان کا صلہ ان کے پروردگار کے پاس (تیار) ہے اور (قیامت کے روز) نہ ان کو کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ جس خیرات دینے کے بعد (لینے والے کو) ایذا دی جائے اس سے نرم بات کہہ دینی اور (اس کی بے ادبی سے) درگزر کرنا بہتر ہے' اور اللہ بے پروا اور بردبار ہے۔''

جولوگ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں یعنی اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے پیسے لگاتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ زمین میں بویا۔ اس سے پودا نکلا' بڑا ہوا' اسے سات بالیں لگیں اور ہر بالی میں سوسو دانے ہوئے۔ اس طرح ایک دانے سے سات سو دانے ملے۔ پھر سٹے مختلف ہوتے ہیں' کوئی مکئی کا سٹہ ہے اور کوئی باجرے کا۔ باجرے کے سٹے میں تو ہزاروں دانے ہوتے ہیں۔ تو اللہ فرماتے ہیں کہ سات سو تک بس نہیں وہ تو جزا کو بڑھاتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے۔ یہ تو خرچ کرنے والے کے خلوص و اخلاص پر مبنی ہے۔ اسی لئے بڑھانے کی کوئی حد نہیں۔ اور اللہ بڑی وسعت والا اور علم والا ہے۔ اس کو ہر شخص کی نیت' ارادے اور خلوص کا علم ہے۔ پھر اس کے خزانے اتنے وسیع ہیں کہ ان میں کوئی کمی نہیں۔

جولوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر جو کچھ وہ خرچ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں اس کے پیچھے نہ تو ایذا دیتے ہیں اور نہ ہی احسان جتاتے ہیں تو ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا اجر و ثواب ہے۔ ایک شخص کسی دینی ادارے کو چندہ دیتا ہے پھر سمجھتا ہے کہ میں دوسروں سے زیادہ چندہ دیتا ہوں اس لئے میری بات ترجیحی بنیادوں پر مانی جائے تو ظاہر ہے وہ اپنے چندے کا صلہ مانگ رہا ہے یا پھر ایک آدمی شبانہ روز دین کے کام میں لگا ہے اور لوگ اس کی معاشی ضروریات کے لئے اس کی مالی مدد کر رہے ہیں۔ ایک شخص جو اسے رقم دے رہا ہے کبھی اسے اپنا احسان جتا دے یا پھر کسی ضرورت مند نادار کی کچھ رقم کے ساتھ مدد کر دی اور بعد ازاں اس سے بیگار لیتا رہے تو یوں سمجھئے ان صورتوں میں مال خرچ کرنے والے نے اپنا ثواب Zero کر دیا۔ اس کے برعکس جولوگ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں پھر نہ تو احسان جتلاتے ہیں اور نہ ہی تیز و تند جملے بول کر یا تیکھا رویہ اختیار کر کے تکلیف پہنچاتے ہیں ایسے لوگوں کا اجر ان کے رب کے پاس محفوظ ہے۔ ان کے اوپر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ کسی حزن سے دوچار ہوں گے۔

بھلی بات کہنا اور درگزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد ایذا پہنچائی جائے۔ کسی نے ہاتھ پھیلایا اگر آپ دے سکتے ہیں تو اسے کچھ دے دیجئے ورنہ نرمی کے ساتھ معذرت کر لیجئے۔ یہ انداز اس خیرات سے بہتر ہے کہ دے تو دی مگر ساتھ ہی دو چار تلخ جملے بول کر مانگنے والے کا دل دکھا دیا۔ خود قرآن مجید میں ہے کہ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ (اور ہاں سوالی کو مت جھڑکو) اللہ تعالیٰ غنی اور حلیم ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے خزانے تو بھرپور ہیں' اسے تمہارے مال کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ اس کی کمال رحمت ہے کہ تم اس کے مفلس و نادار بندوں پر خرچ کرتے ہو تو وہ اس خرچ کو اپنے ذمہ قرض سمجھتا ہے۔ پھر حلیم ہے فوراً نہیں پکڑتا۔ اگر کوئی ردی' نکمی چیز یا از کار رفتہ شے اللہ کے نام پر دیتا ہے یا بادل نخواستہ دیتا ہے یا ریا کاری سے دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے فوراً نہیں پکڑتا کہ میری راہ میں ایسی حقیر چیز دیتا ہے! وہ حلیم ہے' رویہ درست کرنے کے لئے مہلت دیتا ہے۔

## روزہ ڈھال ہے

فرمانِ نبویؐ

چوہدری رحمت اللہ بٹر

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ((الصِّيَامُ جُنَّةٌ وَاِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ اَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ' فَاِنْ سَابَّهُ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ اِنِّي امْرُؤٌ صَائِمٌ)) (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''روزہ ڈھال ہے' لہٰذا جب کوئی روزہ رکھے تو فحش باتیں نہ کرے اور بیہودہ پن نہ دکھائے۔ اگر کوئی دوسرا شخص روزہ دار سے گالی گلوچ کرے یا جھگڑے تو روزہ دار کہہ دے (بھائی) میں روزے سے ہوں (تمہاری باتوں کا جواب نہیں دوں گا)'' اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

ڈھال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے جنگ میں ڈھال سے حفاظت کا کام لیا جاتا ہے۔ اسی طرح روزہ سے اپنے دشمن یعنی شیطان سے حفاظت ہوتی ہے۔ اس لئے روزہ دار کو چاہئے کہ اپنے آپ کو دشمن سے محفوظ رکھتے ہوئے جھوٹ' چغل خوری' لغو بکواس' غیبت' بدگوئی' بدکلامی' تمسخر اور جھگڑا وغیرہ سے پرہیز کریں۔

19-11-03 نمبر
۳۶-کے ماڈل ٹاؤن لاہور

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# سانپ کی نئی کینچلی

دنیا کی نام نہاد واحد سپر طاقت کے صدر جارج بش نے اپنی حالیہ نشری تقریر میں اسلام اور مسلم ممالک کے بارے میں خاصے ڈپلومیٹک انداز میں' اپنی نئی پالیسی کا اعلان کیا ہے۔ انہوں نے اِن ممالک میں جمہوریت کے فقدان پر اظہارِ افسوس کرتے ہوئے کہا کہ آنے والے کئی عشروں تک یہ خطہ امریکا کی توجہ کا مرکز بنا رہے گا۔ ایران کا تذکرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہاں کی حکومت کو ایرانی عوام کے جمہوری مطالبوں پر توجہ دینی چاہئے یا پھر ایک جائز اور قانونی حکومت ہونے کا دعویٰ نہیں کرنا چاہئے۔ بحرین' عمان اور یمن کے بارے میں انہوں نے کہا کہ ان مسلم ملکوں نے تبدیلی کی ضرورت کو محسوس کر لیا ہے۔ عراق اور شام کے بارے میں انہوں نے کہا کہ وہاں مطلق العنان آمروں کی حکومت کی وجہ سے تشدد اور جبر و ستم کی روایات نے جنم لیا ہے۔ مراکش کے بادشاہ کی تعریف کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ مراکش کے "بادشاہ" نے صحیح کہا ہے کہ مسلم ملکوں کا مستقبل اس وقت بہتر ہوگا جب اِن ملکوں میں رہنے والی خواتین کا مستقبل بہتر بنانے کی کوشش کی جائے گی۔ ترکی' انڈونیشیا اور سیرالیون کی تعریف میں کہا کہ وہاں جمہوریت پھل پھول رہی ہے۔

مسلم ممالک میں بجا طور پر صدر بش کی اس تقریر کے خلاف ردِعمل پیدا ہوا ہے خصوصاً عرب ممالک کے اخبارات نے شدید تنقید کی ہے اور اسے منافقانہ قرار دیا ہے اور بش کو "ذہنی طور پر دیوالیہ" قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ دراصل امریکی عوام کو دینے کے لئے اب ان کا دامن خالی ہو چکا ہے۔ لندن سے شائع ہونے والا روزنامہ "القدس" لکھتا ہے کہ عراق میں ناکامی کے بعد امریکا نے جمہوریت کا جو راگ الاپنا شروع کیا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ دجلہ اور فرات کے پانی نے جارج بش کو یہ احساس دلایا ہے کہ پچاس برسوں سے شاہ ایران اور صدام حسین جیسے آمروں کی پشت پناہی کس قدر سنگین غلطی تھی۔ قاہرہ میں قائم "عرب تنظیم برائے انسانی حقوق" کے سربراہ نے کہا کہ اگر عرب میں جمہوریت پوری طرح قائم نہیں تو امریکا کی جمہوریت یہاں زبردستی مسلط نہیں کی جا سکتی جو جارح اور دہشت گرد اسرائیل کی حمایت کرتا ہے اور عراق پر ناجائز قبضہ کرتا ہے۔ "اخوان المسلمون" کے رہنماؤں نے صدر بش کی اس بات سے اتفاق کیا کہ اسلام اور جمہوریت میں کوئی تصادم نہیں ہے' مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ امریکی اقدار اور اس کی جمہوریت یہاں ٹھونس دی جائے۔ انہوں نے کہا کہ مسلم ممالک امریکا کے اس لئے خلاف ہیں کہ وہ اسرائیل کی بے جا حمایت کر رہا ہے اور اس نے افغانستان اور عراق میں جارحیت کا ارتکاب کیا ہے۔ ایران کی وزارتِ خارجہ کے ترجمان نے صدر بش کے بیان کی شدید مذمت کرتے ہوئے ایران کے اندرونی معاملات میں مداخلت قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ بین الاقوامی سطح پر نفاذِ جمہوریت کے حوالے سے امریکا کا ریکارڈ اچھا نہیں ہے' اس لئے صدر بش کو اس قسم کی مہم جوئی سے گریز کرنا چاہئے۔

صدر بش نے اسلام اور مسلم ممالک کے بارے میں اپنی نئی "جمہوریت نواز" پالیسی کا اعلان "اسلامی کانفرنس کی تنظیم" کے اجلاس کے فوراً بعد کیا ہے' جس کے صدر ڈاکٹر مہاتیر محمد نے اپنے بعض سخت بیانات سے امریکا کی یہود نواز پالیسی کے خلاف شدید نکتہ چینی کی تھی۔ اس نشری تقریر کی سب سے زیادہ تعجب انگیز بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنے سب سے بڑے اور دیرینہ دوست "پاکستان" کا نام تک لینا پسند نہیں کیا۔ آخر اس پُراسرار خاموشی کی کیا وجہ ہے؟ کیا یہ کہ ان کے خیال میں جنرل مشرف نے 12 اکتوبر 1999ء کو ایک منتخب جمہوری حکومت کو یک بیک برطرف کر کے اپنی جو آمرانہ حکومت قائم کر رکھی ہے' وہ امریکی پیمانۂ جمہوریت کے عین مطابق ہے' یا یہ کہ اس خاموشی کے پردے میں پاکستان کے خلاف جو "اسرائیل' بھارت اور امریکا" کی باہمی سازش ہو رہی ہے' اس پر فی الحال پردہ پڑا رہنے کی پالیسی پر عمل کیا گیا ہے۔

صدر بش کی اس نئی حکمتِ عملی کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ پہلے اس ذہنی طور پر دیوالیہ شخص کی وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار تباہ کرنے کی پالیسی ناکام ہوئی' القاعدہ اور طالبان کو دہشت گردی کے بہانے ختم کرنے کی پالیسی ناکام ہوئی' پھر عراق میں صدام حسین کو برطرف کر کے اس کے تیل کے ذخائر پر قبضہ کرنے کی پالیسی ناکام ہوئی۔ اب روزانہ افغانستان اور عراق میں امریکیوں کی لاشیں اٹھا کر امریکا واپس لے جانے کا کام اس کے کاندھوں پر آن پڑا ہے۔ آئندہ سال عام انتخابات میں اپنا منہ کالا ہونے سے بچانے کے لئے اس نے پرانی کینچلی اتار کر نئی کینچلی بدلی ہے۔ ممکن ہے کہ امریکی عوام پھر اس کے جال میں پھنس جائیں' لیکن دنیا بھر کے مسلمانوں میں گریٹر اسرائیل کے سانپ نے آزادی اور بیداری کی ایسی زبردست لہر دوڑا دی ہے جو اس مرتبہ کسی بھی فریب' مکاری اور ڈپلومیسی سے دبنے والی نہیں۔ (ادارہ)

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیامِ خلافت کا نقیب

**ندائے خلافت**

| جلد | 13 نومبر تا 19 نومبر 2003ء | شمارہ |
|---|---|---|
| 12 | ۱۷ تا ۲۳ رمضان ۱۴۲۴ھ | 42 |

بانی: اقتدار احمد مرحوم

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

مدیر انتظامی: سید قاسم محمود

مجلسِ ادارت: ڈاکٹر عبدالخالق۔ مرزا ایوب بیگ
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

اس شمارے میں

3۔ سانپ کی نئی کینچلی (اداریہ)
4۔ کیا رزق اشیائے خوردنی کا نام ہے؟
5۔ یہود و نصاریٰ کا طرزِ عمل (خطابِ جمعہ)
7۔ یہ ذہنی غلام (تجزیہ)
9۔ علامہ اقبال اور نظریۂ پاکستان (کتاب نما)
11۔ تحریک جہاد کے عقائد و نظریات
13۔ آخرت کے انکار کی بنیادیں
15۔ ایک نومسلمہ کا قبولِ اسلام

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔ گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ لاہور
فون: 6366638-6316638 فیکس: 6305110
E-Mail:markaz@tanzeem.org

مقامِ اشاعت: 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور

سالانہ زرِ تعاون: 250 روپے' فی شمارہ: 5 روپے
برائے یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (1500 روپے)
برائے امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)

ناشر: محمد سعید اسعد ○ مطبع: مکتبہ جدید پریس لاہور

## محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے سوال و جواب کی نشست

**س: کچھ لوگ خطبۂ جمعہ کے پہلے حصے میں ہاتھ باندھتے ہیں جبکہ وقفے کے بعد ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لیتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟ مزید براں' کیا خطبے کے وقفے میں دعا مانگی جا سکتی ہے؟**

ج: سوال کا دوسرا حصہ بہت اہم ہے۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ وہ وقفہ دعا کی قبولیت کا خاص وقت ہے جب کہ امام بیٹھا ہے۔ اس وقفے میں لازماً دعا مانگنی چاہئے۔ یہ ان خاص اوقات میں سے ہے جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان میں دعا خاص کر قبول ہوتی ہے۔

دورانِ خطبہ اندازِ نشست کے حوالے سے مجھے تو یہ پسند ہے کہ لوگ آداب ملحوظ رکھیں' لیکن میرے علم کی حد تک اس کی کوئی سند موجود نہیں ہے کہ پہلے خطبے کے دوران ہاتھ باندھ کر رکھے جائیں اور دوسرے خطبے کے دوران ہاتھ رانوں پر رکھ لئے جائیں۔ اگرچہ اس میں نماز کے ساتھ مشابہت ہو جاتی ہے اور یہ دو خطبے دو رکعتوں کے قائم مقام ہیں اس لئے میں اس کا قائل ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی کوئی سند ہو یا اس ضمن میں کوئی رہنمائی موجود ہو لیکن میرے علم میں نہیں ہے۔ میں بغیر علم کے کوئی فیصلہ دینا نہیں چاہتا۔

**س: کیا رزق صرف کھانے پینے کی اشیاء کا نام ہے؟ اس کی وضاحت کر دیں۔**

ج: رزق کے حوالے سے جو پہلا تصور ہمارے سامنے آتا ہے وہ تو انسان کی خوراک کی ضرورتیں ہی ہیں' البتہ عربی زبان میں یہ لفظ بڑی وسعت رکھتا ہے۔ اس ضمن میں سورۃ المنافقون کے درس میں بڑی تفصیل سے بحث آئی ہے۔ چنانچہ انسان کو اگر علم ملا ہے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق ہے۔ اللہ نے صحت دی ہے تو یہ بھی رزق ہی کی ایک شکل ہے۔ اولاد بھی اللہ کا رزق ہے۔ درحقیقت رزق ہر وہ شے ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہے۔ یہ لفظ اپنے مفہوم میں بہت وسیع ہے۔ تاہم عام طور پر اس سے کھانے پینے کی چیزیں ہی مراد لی جاتی ہیں۔

**س: جمعہ کی سرکاری چھٹی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟**

ج: یہ جو تصور بن گیا ہے کہ weekend درحقیقت آرام کے لئے ہے' اسلام میں اس کا کوئی تصور نہیں ہے۔ مغرب میں اسے عیاشی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ان لوگوں کی تہذیب یہ ہو گئی ہے کہ وہ پانچ دن حیوانوں کی طرح جُت کر خوب کام کرتے ہیں لیکن پھر دو دن عیاشی کرتے ہیں۔ سیر و سیاحت کرتے ہیں' اپنی گاڑیوں کے پیچھے کشتیاں باندھ کر ساحلوں کا رخ کرتے ہیں۔ کہیں کشتی رانی کر رہے ہیں تو کہیں پکنک منا رہے ہیں اور شرابیں پی رہے ہیں۔ تو یہ ان کا طریقہ ہے۔ اسلام میں آرام کے لئے چھٹی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ یہ تصور تورات میں ایک غلط روایت سے آیا ہے۔ تورات میں یہ لکھا گیا ہے' جیسا کہ قرآن میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین چھ دنوں میں پیدا کئے۔ یہ قرآن میں کم سے کم 10 مرتبہ تو ہوگا' لیکن تورات میں ایک چیز اضافہ کر دی گئی ہے کہ ساتویں دن اللہ نے آرام کیا۔ اب یہ اللہ تعالیٰ کی شان سے بہت بعید ہے۔ سورۃ ق میں یہ آیت آئی ہے کہ "واقعی ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے' چھ دنوں میں پیدا کئے ہیں لیکن ہمیں کوئی تھکان لاحق نہیں ہوئی (کہ آرام کی ضرورت محسوس ہو)"۔ تو گویا کہ نفی کر دی گئی۔ تو اسلام میں آرام کا کوئی تصور نہیں ہے۔ البتہ یہ کہ جو یوم سبت کی سختی تھی' اس کو بھی نرم کر دیا گیا۔

ویسے میرے نزدیک اگر کوئی چھٹی کرنی ہی ہے تو جمعہ کی کرنی چاہئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز جمعہ تک کے وقت کے بارے میں ترغیب و تشویق ہے کہ وہ بھی اللہ کی یاد میں' اللہ کی عبادت میں' قرآن کی تلاوت میں' قرآن کی درس و تدریس میں صرف ہو۔ البتہ چونکہ حرمت کا حکم آ گیا تھا کہ جمعہ کی اذان کے بعد اور نماز کے ادا ہونے تک کاروبار بالکل چھوڑ دو' اس لئے کہہ دیا گیا کہ یہ پابندی نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد ختم ہو گئی ہے۔ لیکن ہمارے ہاں جب جمعہ کی چھٹی ہوتی تھی تو اس کے الٹے نتیجے نکلے تھے۔ اب ساری شادیاں جمعے کو ہونے لگیں اور عین نماز جمعہ کے وقت باراتیں چڑھ رہی ہیں۔ گویا کہ جمعہ کا تقدس مجروح ہوا۔ پھر کرکٹ کے ون ڈے میچ بھی جمعہ کے روز ہونے شروع ہو گئے۔ پہلے تو یہ میچ صرف وہ لوگ دیکھتے تھے جو سٹیڈیم میں جاتے تھے جبکہ اب ٹیلی ویژن کے باعث حال یہ ہے کہ گھر گھر میچ دیکھا جا رہا ہے۔ جن لوگوں کو کرکٹ میچ کا نشہ لگ جاتا ہے ان کے لئے بہت مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ میچ کو چھوڑ کر جمعہ کی نماز کے لئے جائیں۔ تو جمعہ کی چھٹی کر کے ہم نے اس کے احترام میں اضافہ کرنے کے بجائے درحقیقت اس کی حرمت کو بٹہ لگایا۔ جمعہ کی تعطیل کی جائے تو یہ اہتمام کیا جائے کہ اس دن کوئی میچ نہ ہو۔

**س: اگر کوئی شخص نہ تو نماز پابندی سے ادا کرے اور نہ ہی بیوی بچوں' والدین کے حقوق ادا کرے لیکن پھر بھی جہاد پر چلا جائے تو کیا اس کا یہ عمل صحیح ہے؟ جہاد کن لوگوں پر فرض ہے؟ کیا ایک مکمل طور پر باعمل مسلمان جہاد پر جائے گا یا کوئی بھی شخص جا سکتا ہے؟**

ج: اصل میں اس وقت جو جہاد ہو رہا ہے وہ میرے نزدیک تو دینی جہاد نہیں ہے۔ آپ اسے قومی جہاد یا جہاد برائے حصولِ آزادی کہہ سکتے ہیں۔ دین کو قائم کرنے کی جدوجہد سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ بہرحال اس بحث سے قطع نظر' حقوق العباد کی ادائیگی کے ضمن میں ان کا جو طرزِ عمل ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ البتہ اگر خالص اسلامی جہاد ہو اور اس میں نفیر عام ہو جائے' جس میں ہر مسلمان کے لئے نکلنا ضروری ہو جاتا ہے' تو پھر مسئلہ دوسرا ہو جائے گا۔ ایک خالص اسلامی ریاست میں اگر خلیفۃ المسلمین کی طرف سے حکم آ جائے کہ ہر شخص کا جہاد پر جانا ضروری ہے تو پھر بیوی بچوں کو بھی اللہ کے حوالے کر کے جانا پڑے گا۔ ایسی صورت میں جہاد فرض عین ہو جائے گا۔ عام حالات میں یہ فرض کفایہ کے ذیل میں آتا ہے۔ مثلاً حضرت عمرؓ کے عہد میں بیک وقت ایران اور شام میں جہاد و قتال فی سبیل اللہ ہو رہا تھا۔ اگر کسی محاذ سے اطلاع آتی کہ دو ہزار آدمیوں کی ضرورت ہے تو حضرت عمرؓ کے اعلان پر دو ہزار آدمی نکل آتے۔ باقی مسلمانوں کے اوپر یہ فرض نہیں رہتا تھا۔ مطلوبہ تعداد پوری ہونے پر فرض کفایہ ادا ہو جاتا تھا۔ اسی طرح مزید آدمیوں کی ضرورت پڑنے پر پھر اعلانِ عام کیا جاتا۔ تو ایسی صورت میں یہ فرض کفایہ ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں صرف غزوہ تبوک میں نکلنا فرض عین تھا اور اس کے لئے نفیر عام تھی کہ ہر صاحب ایمان اللہ کی راہ میں نکلے' کیونکہ ایک بہت بڑی سلطنت کے ساتھ ٹکراؤ تھا۔ چنانچہ آپؐ تیس ہزار کا لشکر لے کر نکلے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے کسی بھی جنگ میں یہ نہیں تھا کہ ہر مسلمان کا نکلنا فرض ہے۔ البتہ یہ ایمان کا تقاضا ہے اور ایک مسلمان کو جنت اور شہادت کی موت حاصل کرنے کے لئے ترغیب دلانا اپنی جگہ اہم ہے۔

(مرتب: محمد خلیق)


بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی فکر انگیز کتاب

**راہِ نجات**

(سورۃ العصر کی روشنی میں)

40 روپے

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

# یہود و نصاریٰ کا طرزِ عمل

## امت مسلمہ کے لئے تنبیہ

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں جناب شاہد اسلم ناظم تربیت تنظیم اسلامی پاکستان کے 7 نومبر 2003ء کے خطاب کی تلخیص

✿ قرآن حکیم ''کتابِ ہدایت'' ہے۔ سورۂ یونس میں قرآن حکیم کی عظمت اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی ہے:

''اے لوگو! تمہارے پاس قرآن آ گیا ہے جو وعظ ہے اور اس میں سینوں کے امراض کے لئے شفا ہے اور یہ کتاب ہدایت ہے ایمان والوں کے لئے۔ اے نبیؐ کہہ دیجئے کہ یہ (کتاب) اللہ کی رحمت اور فضل کا مظہر ہے' تو لوگوں کو چاہئے کہ وہ اس (نعمت کے ملنے پر) خوشیاں منائیں اور تمام نعمتیں جو لوگ جمع کرتے ہیں' یہ (کتاب) ان سب سے بڑھ کر نعمت ہے۔''

قرآن حکیم میں جابجا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ کتاب ہے جو ٹھیک اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے' لہٰذا اس کی پیروی کرو۔ یہ حق اور باطل کو الگ الگ کر دینے والی کتاب ہے۔ اس کے ذریعے انسان کو پتہ چلتا ہے کہ غلط کیا ہے' صحیح کیا ہے۔ جھوٹ کیا ہے اور سچ کیا ہے۔ قرآن حکیم زندگی کے ان تمام انفرادی و اجتماعی گوشوں میں تفصیلی رہنمائی فراہم کرتا ہے جو انسان کی ہدایت کے لئے ضروری ہیں۔ اس کتاب سے اعراض کرنے پر انسان کو اندھیروں میں بھٹکنے کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ آج مسلمانوں کا مسئلہ یہی ہے کہ ہم اس کتاب کی تلاوت تو کرتے ہیں لیکن اسے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور ہمارا عمل اس کے مطابق ہونے کی بجائے اس کے برعکس ہے۔ جبکہ امت مسلمہ کو جو اس وقت مسائل درپیش ہیں ان کا حل اسی قرآن پر عمل کرنے میں پوشیدہ ہے۔

آج سورۃ المائدہ کے نویں رکوع کی آیات 57 تا 63 کا مطالعہ ہمارے پیش نظر ہے جس میں یہود و نصاریٰ کے طرزِ عمل کے حوالے سے مسلمانوں کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تم ان جیسا طرزِ عمل اختیار نہ کرنا' چنانچہ فرمایا:

''اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں اور وہ کفار جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے کبھی اپنا دوست نہ بناؤ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اگر تم مومن ہو۔ (آیت: 57)

یہود و نصاریٰ کو بھی اللہ نے کتاب عطا کی تھی لیکن انہوں نے اس میں تحریف کی اور اپنی مرضی سے زندگی گزارنا شروع کر دی' جس کے نتیجے میں ان میں کچھ طبقات وجود میں آ گئے۔ ایک طبقہ عوام کا تھا جو کتاب کا علم نہیں رکھتا تھا بلکہ اپنی تمناؤں' من گھڑت خیالات' رسومات اور توہمات کی پیروی کرتا تھا۔ دوسرا علمائے دین اور اللہ والوں کا گروہ تھا جس نے عوام کی رہنمائی کے فریضہ کی ادائیگی کی بجائے فتویٰ فروشی شروع کر دی۔ تیسرے ان کے لیڈروں کا طبقہ تھا جو عوام کے مفادات کا تحفظ اور ان کی حفاظت کرنے کی بجائے دشمنوں کے ساتھ مل کر اپنی ہی قوم کو تباہ و برباد کرواتے رہے۔ جیسا کہ آج ہمارے بعض مسلم حکمرانوں کا حال ہے۔ بہرصورت اللہ تعالیٰ نے ان کی بد اعمالیوں کے سبب امامت الناس کا منصب ان سے لے کر حضور اکرم ﷺ کے حوالے کر دیا۔ اس پر بالخصوص یہود مسلمانوں کے دشمن ہو گئے اور ان کے دین کا مذاق اڑانے لگے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پابند کر دیا کہ وہ ایسے لوگوں کو اپنا مددگار اور دوست نہ سمجھیں۔ قرآن نے جابجا واضح کیا ہے کہ یہود اور مشرکین مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ آج بھی مسلمانوں کے خلاف یہود و ہنود کے درمیان معاہدے ہو رہے ہیں۔ نصاریٰ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دے کر مشرکین کی صف میں شامل ہو چکے ہیں اور یہود کے آلہ کار بن کر اسلام دشمنی میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ مسلمانوں کو ملیامیٹ کر دینا چاہتے ہیں۔ لیکن افسوس ہم اب بھی انہیں اپنا ہمدرد اور خیر خواہ مان کر ان سے تعاون کر رہے ہیں۔ حالانکہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر واضح کر دیا ہے کہ ایسے لوگوں کو اپنا دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کا مذاق اڑاتے ہیں کیونکہ یہ کبھی تمہارے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ آگے مزید فرمایا:

''اور جب تم لوگ نماز کے لئے اذان دیتے ہو تو یہ اسے بھی ہنسی کھیل بنا دیتے ہیں' کیونکہ یہ قوم سمجھ بوجھ سے عاری ہو چکی ہے۔ اے نبی آپ فرما دیجئے کہ اہل کتاب! کیا تم ہم سے انتقام لیتے ہو' اس وجہ سے ہم اللہ پر اور اس کی طرف سے جو کتاب ہم پر نازل ہوئی اور جو کتابیں ہم سے پہلے نازل ہوئیں ایمان رکھتے ہیں۔ اور بے شک تم ہی میں اکثریت بدکردار لوگ ہیں۔ (آیت: 58' 59)

کفار کا معمول یہ تھا کہ جب وہ نماز پڑھتے تو شور و غل کرتے اور ڈھول بجاتے تاکہ نماز میں خلل واقع ہو۔ اسی طرح یہود بھی مسلمانوں کی عبادات کا مذاق اڑاتے تھے۔ آج جدید انداز میں ارکان و شعائرِ اسلام کا مذاق اڑایا جا رہا ہے' لیکن افسوس کہ یہ کام غیر نہیں بلکہ ہم خود کر رہے ہیں۔ عین نماز کے وقت فحش گانے بج رہے ہوتے ہیں۔ نماز کے اوقات میں میچ کھیلے جاتے ہیں اور میچ دیکھنے والے یا کھیلنے والے نماز کی ادائیگی کا اہتمام نہیں کرتے۔ گویا ہم خود ہی اپنے دین کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ جب مسلمان قوم اس مقام پر پہنچ جاتی ہے کہ اس میں دینی غیرت ختم ہو جائے تو پھر اسے بھیڑ بکریوں کی طرح جو چاہے ذبح کر سکتا ہے۔ یہی یہود و نصاریٰ نے کیا اور تاریخ گواہ ہے کہ یہود کئی مرتبہ تباہی و بربادی سے دوچار ہوئے۔ ماضی میں جب ہم نے بھی قرآن کی اسی واضح ہدایت کو چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست بنایا اور دنیا کی رنگینیوں میں پڑ گئے تو تاتاریوں نے لاکھوں کی تعداد میں مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیا۔ آج بھی ہم نہ صرف ان سے دوستیاں گانٹھ رہے ہیں بلکہ ان کی نقالی میں ان سے زیادہ عریاں ہو کر دکھا رہے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ اس کے بغیر ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ حالانکہ ہماری سربلندی اس کتاب ہدایت کی پیروی اور اس کے نفاذ میں ہے۔ اگر ہم قرآن پر عمل کریں اور اس کے اجتماعی نظام کو نافذ کر دیں تو دشمن کبھی ہمارے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔ لیکن چونکہ ہم نے کتاب کو ایک طرف رکھ دیا ہے تو آج خود ہی

ان کے ساتھ مل کر اپنے مسلمان بھائیوں کے گلے کاٹ رہے ہیں۔ یہ قرآن سے روگردانی کی وجہ سے اللہ کے عذاب ہی کی شکل ہے۔

چنانچہ آگے فرمایا: ''اے نبیؐ فرما دیجئے کہ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ کے ہاں بدتر جزا پانے والے کون لوگ ہیں' وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت کی اور جن پر وہ غضبناک ہوا (چنانچہ) ان میں سے کچھ کو بندر اور خنزیر بنا دیا اور باقی طاغوت کی عبادت کرنے لگے۔ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ بہت برا ہے اور وہ سیدھے رستے سے بہت دور ہیں۔''

(آیت: 60)

یہود نے دین میں حیلے بہانے کرکے اپنی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کا غضب اُن پر نازل ہوا اور اللہ نے بعض نافرمانوں کی شکلوں کو مسخ کر دیا۔ جبکہ دوسرے نافرمان جنہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی بات ماننے میں پس وپیش کی تو وہ اللہ کے باغیوں کی اطاعت پر مجبور ہو گئے۔ گویا طاغوت کی پرستش کرنے لگے یعنی غیر اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کر لیا۔ ایسے ہی لوگ سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

آگے فرمایا: ''اے نبیؐ جب یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے حالانکہ یہ کفر کے ساتھ آئے اور کفر کے ساتھ چلے گئے اور جن باتوں کو یہ مخفی رکھتے ہیں' خدا ان کو خوب جانتا ہے اور تم ان کی اکثریت کو دیکھو گے کہ وہ گناہ' زیادتی کے کاموں اور حرام کھانے میں آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بے شک بہت برا عمل ہے جو یہ کرتے ہیں۔'' (آیات: 61'62)

اسلام دشمنوں نے جب دیکھا کہ جو بھی اسلام قبول کرتا ہے' وہ انہی کا ہو جاتا ہے تو انہوں نے کچھ لوگوں کو بھیجا کہ وہ ایک دن اسلام قبول کر لیں اور دوسرے دن کہہ دیں کہ ہم نے اسلام کا قریب جا کر مطالعہ کیا ہے۔ یہ جھوٹا مذہب ہے (معاذ اللہ) تو لہٰذا ہم اسلام سے خارج ہو رہے ہیں۔ تاکہ ایک طرف جہاں نومسلموں کا ایمان متزلزل ہو' وہاں دوسرے غیر مسلم بھی مسلمانوں کے قریب نہ جائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کتنی ہی خفیہ منصوبہ بندی کر لیں اللہ سے نہیں چھپا سکتے۔ ان کا اصل مرض یہ ہے کہ یہ گناہوں اور حرام مال سے بچنا نہیں چاہتے۔ یہی حال ہمارا ہے۔ ہمیں بھی اللہ نے کہا کہ سود حرام ہے لیکن ہم خود اس سودی نظام کے تحفظ کے لئے شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف رٹیں دائر کرتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کہتے ہیں کہ فحاشی اور بے حیائی سے بچو' ہم کہتے ہیں اس کے بغیر ترقی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح آج رشوت کے ذریعے حرام مال کے حصول کا مرض پوری قوم میں اس طرح رچ بس گیا ہے کہ کہیں رشوت دیئے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ یہ بہت ہی برے اعمال ہیں' ان کو چھوڑے بغیر اللہ کی رحمت ہمارے شامل حال نہیں ہو سکتی۔

آگے فرمایا کہ جب ایسی کیفیت ہو جائے تو اللہ والوں اور علماء کو چاہئے کہ وہ قوم کو ان کاموں سے منع کریں۔ ''بھلا ان کے مشائخ اور علماء انہیں گناہ کی باتوں اور حرام کھانے سے منع کیوں نہیں کرتے۔ بلاشبہ (ایسا نہ کر کے) وہ بہت برا کر رہے ہیں۔'' (آیت 63)

علماء و مشائخ کا کام یہ ہے کہ اللہ کی زمین پر اللہ کے احکامات کی تنفیذ کے لئے جدوجہد کریں۔ جب اللہ کی حدود کو توڑا جا رہا ہو تو ان حدود کی حفاظت ان کے ذمہ ہے۔ علماء اور مشائخ کا کام یہ ہے کہ لوگوں کو منکرات سے روکیں۔ حق بات ان کو بتائیں' ان کی اصلاح کریں۔ چاہے ان کی سندیں چھن جائیں۔ مسجدیں اور خانقاہیں چھن جائیں کیونکہ جو علمائے کرام اور اللہ والے یہ کام نہیں کر رہے' قرآن نے ان کے اس طرزِ عمل کو بہت ہی برا فعل کہا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس کتاب ہدایت کو سمجھنے اس پر عمل کرنے اور اسے نافذ کرنے کے لئے اپنا تن من دھن لگانے کی توفیق عطا فرمائے' کیونکہ جب تک ہم قرآن کے دیئے ہوئے نظام کو نافذ نہیں کریں گے' ہمارے مسائل حل نہیں ہوں گے۔


SCHOOL FOR CONTEMPORARY AND ISLAMIC LEARNING

SCIL

NURSERY TO O/A LEVEL

- TEFL TRAINED TEACHERS
- Computers and Visual Aids
- Nazira Quran and Tajweed
- Quranic Studies and Sirah
- Sports, Riding, Shooting
- Arts and Crafts
- Hifz
- Arabic Language

"Teaching Modern Contemporary Subjects in a progressive and Supportive Islamic environment with special emphasis on moral values and Character building".

**Admissions Open**
Nursery-Class 4

20A-C/3 GulbergIII
Main M.M Alam Raod, Lahore
Phone: 5712793, 5756594

VISION FOR TOMORROW

# یہ ذہنی غلام

ایوب بیگ مرزا

اگرچہ غلامی کی ہر قسم اور ہر نوعیت بری ہے لیکن ذہنی غلامی یقیناً غلامی کی بدترین قسم ہے۔ جسم غلام ہوں تو آزاد ذہن انہیں جلد یا بدیر آزاد کروا لیتے ہیں لیکن ذہنی غلامی سے کسی حقیقی انقلاب کے بغیر آزادی حاصل کرنا ممکن نہیں۔ جسم اگر غلامی کی انہی زنجیروں میں بھی جکڑا ہوا ہو تو آزادی کے لئے جدوجہد اور مزاحمت جاری رکھتا ہے۔ حکمت سے کام بھی لیتا ہے' تصادم بھی مول لیتا ہے' دوستی اور دشمنی صرف حصولِ مقصد کے حوالے سے ہوتی ہے' لیکن بدقسمتی سے اگر کوئی فرد معاشرہ یا قوم ذہنی طور پر کسی دوسری قوم سے مرعوب اور مغلوب ہو جائے اور معاشی' معاشرتی' تاریخی جغرافیائی اور ثقافتی تفاوت کو بالائے طاق رکھ کر اس کا اندھا دھند مقلد بن جائے تو نہ صرف آزادی کی جدوجہد کا کوئی سوال نہیں رہتا ہے بلکہ مکڑی کی طرح اس مال کو اپنے گرد مزید لپٹتا رہتا ہے اور اسی میں اپنی عافیت جانتا ہے۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی برصغیر ہند میں استعماری قوتوں نے سونے کی چڑیا ہندوستان پر یلغار کی۔ ان میں انگریز' فرانسیسی اطالوی اور پرتگالی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ان میں سے انگریز کامیاب رہا۔ شاید ان اقوام میں سے انگریز سب سے زیادہ ذہین' فہیم اور عیار تھا۔ یہ اہل ہند خصوصاً مسلمانانِ ہند کی بہت بڑی بدقسمتی تھی۔ وہ اتنا عیار تھا کہ اس نے ہندوستان پر قبضہ مکمل کر لیا تو اپنے قبضے کو مستحکم کرنے سے پہلے مفتوحین سے پوچھا تم تلوار کی نوک پر غلامی قبول کئے رکھو گے یا اس کے لئے قلم کافی ہے۔ ہندوستان کا ہندو جو پہلے بھی غلام تھا اس کو آقا کے بدلنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس نے نئے آقاؤں کو بسر و چشم قبول کر لیا۔ مسلمان دو حصوں میں بٹ گئے۔ ایک حصے نے کچھ دیر عسکری جدوجہد جاری رکھی' جب مکمل طور پر مغلوب ہو گئے تو اصحاب کہف کی سنت پر عمل پیرا ہو کر سیاسی زندگی سے ناطہ توڑ لیا۔ اور مدارس کی چار دیواری میں خود کو بند کر لیا اور صرف دینی تعلیم پر اپنی توجہ مرکوز کر لی۔ دوسرا طبقہ کچھ دیر دبکا رہا اور انہی سابقہ معاشی خوشحالی کے بل پر اور معاشرتی شان و شوکت کی اوٹ میں گزر بسر کرتا رہا۔ پھر جب سرسید نے جدید علم کے حصول کے لئے مسلمانوں کو آواز لگایا تو یہ طبقہ اس طرف متوجہ ہوا۔ جدید علم کے حصول کے لئے مسلمانوں میں ایک تحریک چلانا سرسید کا ایک عظیم کارنامہ تھا لیکن ان سے ایک فاش غلطی سرزد ہوئی اور وہ یہ کہ انہوں نے مذہبی معاملات میں بھی ٹانگ اڑانی شروع کر دی اور تاویلات میں ایسی چیزوں سے انکار کیا جنہیں محکمات کا درجہ حاصل تھا۔ اہلِ دین جو پہلے ہی جدید علوم کے حصول پر تحفظات رکھتے تھے' بلکہ مزاحمت کر رہے تھے' انہوں نے اس سب کچھ کو دین دشمنی قرار دے دیا۔ دوسری بڑی اور بہت بڑی غلطی یہ ہوئی کہ اس علم کو محض ایک علم قرار دیئے جانے کی بجائے آقا کا علم یعنی حکمرانوں کا علم' چٹی چمڑی والوں کا علم قرار دیا' یعنی اس قوت کا علم جس کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا۔ ان دو غلطیوں کی وجہ سے مسلمانانِ ہند کے ان دونوں طبقات کو نقصان پہنچا۔ دینی تعلیم تک محدود رہنے والا طبقہ جدید تعلیم حاصل نہ کرنے کی وجہ سے وسعت ذہنی سے محروم ہوا اور زمینی حقائق کا صحیح ادراک کرنے میں اکثر و بیشتر ناکام رہا اور جدید تعلیم حاصل کرنے والا مغرب کا ایسا ذہنی غلام ہوا کہ مشرق کی روایات کو دقیانوسی سمجھنے لگا'

> ملک غلام محمد' چودھری محمد علی' غلام اسحاق خان وغیرہ اسی طبقے کے نمائندے تھے۔
> انہوں نے پاکستان پر براہِ راست حکومت کی۔

سیاسی اور عسکری سطح پر مغرب کی بالا دستی کو اٹل اور دائمی سمجھ بیٹھا۔ طرز زندگی اور بود و باش میں ان کی نقالی فیشن اور جدت کا سمبل بن گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جوں جوں یہ تعلیم عام ہوئی سیاسی اور عسکری سطح پر آزادی حاصل کر لینے کے باوجود ذہنی غلام فوج در فوج پیدا ہو گئے۔

انگریز نے ہندوستان میں ایسا حکومتی سیٹ اپ بنایا تھا کہ وہ اس طبقے کے ذریعے حکمرانی کرے یعنی عوام محکوم ہوں' انگریز حاکم اور یہ طبقہ انگریز حکمرانوں کا ٹول ہو۔ ہندوستان میں جو آزادی کی تحریکیں چل رہی تھیں ان کے نتیجہ میں انگریز کو جانا تو تھا ہی لیکن جنگ عظیم دوم میں فتح یابی کے باوجود انگریز کا کچومر نکل گیا اور وہ ہندوستان سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ مسلم لیگ ایک تحریک تھی وہ صحیح معنوں میں سیاسی جماعت تھی نہیں اور نہ اس کے پاس تربیت یافتہ کارکن تھے۔ وہ اپنی غیر متوقع اور قبل از وقت کامیابی پر خود حیران رہ گئی تھی۔ انگریز کے یکدم غائب ہو جانے اور پاکستان ساز جماعت کے ڈھیلے ہونے کی وجہ سے یہ طبقہ جیسے حکمرانی کے لئے انگریز بطور ٹول استعمال کرتے تھے اسے خود حکمران بننے کا موقع مل گیا۔ انگریز کے دور کا بنایا ہوا سیٹ اپ اسے بہت موزوں تھا چنانچہ اولاً تو اس سیٹ اپ کو بدلنے کی کوئی سنجیدہ کوشش ہو نہ سکی اور اگر کوئی کوشش ہوئی بھی تو اس طبقہ نے اسے ناکام بنا دیا۔ غلام محمد' چودھری محمد علی' غلام اسحاق خان وغیرہ اسی طبقہ کے نمائندہ تھے۔ انہوں نے تو براہِ راست حکومت کی البتہ پاکستان کی ہر فوجی اور سول حکومت اس طبقہ کی یرغمال بنی رہی۔ اس طبقہ کو اسٹیبلشمنٹ بھی کہا جاتا ہے۔ اس طبقہ کی اکثریت غلامانہ ذہنیت کی حامل ہے۔ اسلام جو قیام پاکستان کی واحد وجہ جواز ہے اور جمہوریت جس کی کوکھ سے پاکستان نے جنم لیا ہے لیکن اسلام اور جمہوریت دونوں اس طبقہ کو وارا نہیں کھاتے تھے یقیناً پاکستان میں اسلام کے عدم نفاذ اور جمہوریت کے عدم استحکام کی اور بھی بہت سی وجوہات ہوں گی لیکن اس طبقہ نے اسلام اور جمہوریت کو پاکستان سے دور رکھنے میں کلیدی رول ادا کیا۔ تحریک آزادی کے دوران جب کانگرس اور مسلم لیگ کی کشمکش آخری مراحل میں تھی' کانگرس کا دعویٰ تھا کہ اکھنڈ ہندوستان میں ہندو مسلم مشترکہ حکومت چل سکتی ہے اور مسلم لیگ کا مؤقف تھا کہ ایسا ممکن نہیں' چودھری محمد علی کی تجویز پر قائداعظم نے اس شرط پر آزمائشی حکومت میں شمولیت پر راضی ہو گئے کہ چاہے تمام وزارتیں کانگرس کو مل جائیں۔ وزارت خزانہ مسلم لیگ کے پاس رہے گی۔ کانگرس نے بخوشی یہ شرط قبول کر لی لیکن جب مسلم لیگ کے نمائندے وزیر خزانہ لیاقت علی نے اپنی وزارت کے ذریعے ساری کابینہ کو مفلوج کر دیا کیونکہ ہر پلان اور ہر ترقیاتی منصوبہ

ان کے ساتھ مل کر اپنے مسلمان بھائیوں کے گلے کاٹ رہے ہیں۔ یہ قرآن سے روگردانی کی وجہ سے اللہ کے عذاب ہی کی شکل ہے۔

چنانچہ آگے فرمایا: ''اے نبیؐ فرما دیجئے کہ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ کے ہاں بدتر جزا پانے والے کون لوگ ہیں' وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت کی اور جن پر وہ غضبناک ہوا (چنانچہ) ان میں سے کچھ کو بندر اور خنزیر بنا دیا اور باقی طاغوت کی عبادت کرنے لگے۔ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ بہت برا ہے اور وہ سیدھے رستے سے بہت دور ہیں۔'' (آیت:60)

یہودنے دین میں حیلے بہانے کر کے اپنی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا اور اللہ نے بعض نافرمانوں کی شکلوں کو مسخ کر دیا۔ جبکہ دوسرے نافرمان جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی بات ماننے میں پس وپیش کی تو وہ اللہ کے باغیوں کی اطاعت پر مجبور ہو گئے۔ گویا طاغوت کی پرستش کرنے لگے یعنی غیر اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کر لیا۔ ایسے ہی لوگ سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

آگے فرمایا: ''اے نبیؐ جب یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے حالانکہ یہ کفر کے ساتھ آئے اور کفر کے ساتھ چلے گئے اور جن باتوں کو یہ مخفی رکھتے ہیں' خدا ان کو خوب جانتا ہے اور تم ان کی اکثریت کو دیکھو گے کہ وہ گناہ' زیادتی کے کاموں اور حرام کھانے میں آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بے شک بہت برا عمل ہے جو یہ کرتے ہیں۔'' (آیات:61'62)

اسلام دشمنوں نے جب دیکھا کہ جو بھی اسلام قبول کرتا ہے' وہ انہی کا ہو جاتا ہے تو انہوں نے کچھ لوگوں کو بھیجا کہ وہ ایک دن اسلام قبول کر لیں اور دوسرے دن کہہ دیں کہ ہم نے اسلام کا قریب جا کر مطالعہ کیا ہے۔ یہ جھوٹا مذہب ہے (معاذ اللہ) تو لہٰذا ہم اسلام سے خارج ہو رہے ہیں۔ تاکہ ایک طرف جہاں نومسلموں کا ایمان متزلزل ہو' وہاں دوسرے غیر مسلم بھی مسلمانوں کے قریب نہ جائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کتنی ہی خفیہ منصوبہ بندی کر لیں اللہ سے نہیں چھپا سکتے۔ ان کا اصل مرض یہ ہے کہ یہ گناہوں اور حرام مال سے بچنا نہیں چاہتے۔ یہی حال ہمارا ہے۔ ہمیں بھی اللہ نے کہا کہ سود حرام ہے لیکن ہم خود اس سودی نظام کے تحفظ کے لئے شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف رٹیں دائر کرتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کہتے ہیں کہ فحاشی اور بے حیائی سے بچو' ہم کہتے ہیں اس کے بغیر ترقی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح آج رشوت کے ذریعے حرام مال کے حصول کا مرض پوری قوم میں اس طرح رچ بس گیا ہے کہ کہیں رشوت دیئے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ یہ بہت ہی برے اعمال ہیں' ان کو چھوڑے بغیر اللہ کی رحمت ہمارے شامل حال نہیں ہو سکتی۔

آگے فرمایا کہ جب ایسی کیفیت ہو جائے تو اللہ والوں اور علماء کو چاہئے کہ وہ قوم کو ان کاموں سے منع کریں۔ ''بھلا ان کے مشائخ اور علماء انہیں گناہ کی باتوں اور حرام کھانے سے منع کیوں نہیں کرتے۔ بلاشبہ (ایسا نہ کر کے) وہ بہت برا کر رہے ہیں۔'' (آیت 63)

علماء و مشائخ کا کام یہ ہے کہ اللہ کی زمین پر اللہ کے احکامات کی تنفیذ کے لئے جدوجہد کریں۔ جب اللہ کی حدود کو توڑا جا رہا ہو تو ان حدود کی حفاظت ان کے ذمہ ہے۔ علماء اور مشائخ کا کام یہ ہے کہ لوگوں کو منکرات سے روکیں۔ حق بات ان کو بتائیں' ان کی اصلاح کریں۔ چاہے ان کی سندیں چھن جائیں۔ مسجدیں اور خانقاہیں چھن جائیں کیونکہ جو علمائے کرام اور اللہ والے یہ کام نہیں کر رہے' قرآن نے ان کے اس طرزِ عمل کو بہت ہی برا فعل کہا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس کتاب ہدایت کو سمجھنے اس پر عمل کرنے اور اسے نافذ کرنے کے لئے اپنا تن من دھن لگانے کی توفیق عطا فرمائے' کیونکہ جب تک ہم قرآن کے دیئے ہوئے نظام کو نافذ نہیں کریں گے' ہمارے مسائل حل نہیں ہوں گے۔

SCHOOL FOR CONTEMPORARY
AND
ISLAMIC LEARNING

NURSERY TO O/A LEVEL

- TEFL TRAINED TEACHERS
- Computers and Visual Aids
- Nazira Quran and Tajweed
- Quranic Studies and Sirah
- Sports, Riding, Shooting
- Arts and Crafts
- Hifz
- Arabic Language

"Teaching Modern Contemporary Subjects in a progressive and Supportive Islamic environment with special emphasis on moral values and Character building".

Admissions Open
Nursery-Class 4

20A-C/3 GulbergIII
Main M.M Alam Raod, Lahore
Phone: 5712793, 5756594

SCIL

VISION FOR TOMORROW

# یہ ذہنی غلام

**ایوب بیگ مرزا**

اگر چہ غلامی کی ہر قسم اور ہر نوعیت بری ہے لیکن ذہنی غلامی یقیناً غلامی کی بدترین قسم ہے۔ جسم غلام ہوں تو آزاد ذہن انہیں جلد یا بدیر آزاد کروا لیتے ہیں لیکن ذہنی غلامی سے کسی حقیقی انقلاب کے بغیر آزادی حاصل کرنا ممکن نہیں۔ جسم اگر غلامی کی انہی زنجیروں میں بھی جکڑا ہوا ہو تو آزادی کے لئے جدوجہد اور مزاحمت جاری رکھتا ہے۔ حکمت سے کام بھی لیتا ہے' تصادم بھی مول لیتا ہے' دوستی اور دشمنی صرف حصولِ مقصد کے حوالے سے ہوتی ہے' لیکن بدقسمتی سے اگر کوئی فرد معاشرہ یا قوم ذہنی طور پر کسی دوسری قوم سے مرعوب اور مغلوب ہو جائے اور معاشی' معاشرتی' تاریخی جغرافیائی اور ثقافتی تفاوت کو بالائے طاق رکھ کر اس کا اندھا دھند مقلد بن جائے تو نہ صرف آزادی کی جدوجہد کا کوئی سوال نہیں رہتا ہے بلکہ مکڑی کی طرح اس مال کو اپنے گرد مزید لپیٹتا رہتا ہے اور اسی میں اپنی عافیت جانتا ہے۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی برصغیر ہند میں استعماری قوتوں نے سونے کی چڑیا ہندوستان پر یلغار کی۔ ان میں انگریز' فرانسیسی اطالوی اور پرتگالی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ان میں سے انگریز کامیاب رہا۔ شاید ان اقوام میں سے انگریز سب سے زیادہ ذہین' فہیم اور عیار تھا۔ یہ اہل ہند خصوصاً مسلمانانِ ہند کی بہت بڑی بدقسمتی تھی۔ وہ اتنا عیار تھا کہ اس نے ہندوستان پر قبضہ مکمل کر لیا تو اپنے قبضے کو مستحکم کرنے سے پہلے مفتوحین سے پوچھا تم تلوار کی نوک پر غلامی قبول کیے رکھو گے یا اس کے لئے قلم کافی ہے۔ ہندوستان کا ہندو جو پہلے بھی غلام تھا اس کو آقا کے بدلنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس نے نئے آقاؤں کو بسر و چشم قبول کر لیا۔ مسلمان دو حصوں میں بٹ گئے۔ ایک حصے نے کچھ دیر عسکری جدوجہد جاری رکھی' جب مکمل طور پر مغلوب ہو گئے تو اصحابِ کہف کی سنت پر عمل پیرا ہو کر سیاسی زندگی سے ناطہ توڑ لیا۔ اور مدارس کی چار دیواری میں خود کو بند کر لیا اور صرف دینی تعلیم پر اپنی توجہ مرکوز کر لی۔ دوسرا طبقہ کچھ دیر دبکا رہا اور انہی سابقہ معاشی خوشحالی کے بل پر اور معاشرتی شان و شوکت کی اوٹ میں گزر بسر کرتا رہا۔ پھر جب سرسید نے جدید علم کے حصول کے لئے مسلمانوں کو آوازہ لگایا تو یہ طبقہ اس طرف متوجہ ہوا۔ جدید علم کے حصول کے لئے مسلمانوں میں ایک تحریک چلانا سرسید کا ایک عظیم کارنامہ تھا لیکن ان سے ایک فاش غلطی سرزد ہوئی اور وہ یہ کہ انہوں نے مذہبی معاملات میں بھی ٹانگ اڑانی شروع کر دی اور تاویلات میں ایسی چیزوں سے انکار کیا جنہیں محکمات کا درجہ حاصل تھا۔ اہلِ دین جو پہلے ہی جدید علوم کے حصول پر تحفظات رکھتے تھے' بلکہ مزاحمت کر رہے تھے' انہوں نے اس سب کچھ کو دین دشمنی قرار دے دیا۔ دوسری بڑی اور بہت بڑی غلطی یہ ہوئی کہ اس علم کو محض ایک علم قرار دیئے جانے کی بجائے آقا کا علم یعنی حکمرانوں کا علم' چٹی چمڑی والوں کا علم قرار دیا' یعنی اس قوت کا علم جس کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا۔ ان دو غلطیوں کی وجہ سے مسلمانانِ ہند کے ان دونوں طبقات کو نقصان پہنچا۔ دینی تعلیم تک محدود رہنے والا طبقہ جدید تعلیم حاصل نہ کرنے کی وجہ سے وسعت ذہنی سے محروم ہوا اور زمینی حقائق کا صحیح ادراک کرنے میں اکثر و بیشتر ناکام رہا اور جدید تعلیم حاصل کرنے والا مغرب کا ایسا ذہنی غلام ہوا کہ مشرق کی روایات کو دقیانوسی سمجھنے لگا' سیاسی اور عسکری سطح پر مغرب کی بالادستی کو اٹل اور دائمی سمجھ بیٹھا۔ طرز زندگی اور بود و باش میں ان کی نقالی فیشن اور جدت کا سمبل بن گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جوں جوں یہ تعلیم عام ہوئی سیاسی اور عسکری سطح پر آزادی حاصل کر لینے کے باوجود ذہنی غلام فوج در فوج پیدا ہو گئے۔

انگریز نے ہندوستان میں ایسا حکومتی سیٹ اپ بنایا تھا کہ وہ اس طبقے کے ذریعے حکمرانی کرے یعنی عوام محکوم ہوں' انگریز حاکم اور یہ طبقہ انگریز حکمرانوں کا ٹول ہو۔ ہندوستان میں جو آزادی کی تحریکیں چل رہی تھیں ان کے نتیجہ میں انگریز کو جانا تو تھا ہی لیکن جنگ عظیم دوم میں فتح یابی کے باوجود انگریز کا کچومر نکل گیا اور وہ ہندوستان سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ مسلم لیگ ایک تحریک تھی وہ صحیح معنوں میں سیاسی جماعت تھی نہیں اور نہ اس کے پاس تربیت یافتہ کارکن تھے۔ وہ اپنی غیر متوقع اور قبل از وقت کامیابی پر خود حیران رہ گئی تھی۔ انگریز کے یکدم غائب ہو جانے اور پاکستان ساز جماعت کے ڈھیلے ہونے کی وجہ سے یہ طبقہ جیسے حکمرانی کے لئے انگریز بطور ٹول استعمال کرتے تھے اسے خود حکمران بننے کا موقع مل گیا۔ انگریز کے دور کا بنایا ہوا سیٹ اپ اسے بہت موزوں تھا چنانچہ اولاً تو اس سیٹ اپ کو بدلنے کی کوئی سنجیدہ کوشش ہو نہ سکی اور اگر کوئی کوشش ہوئی بھی تو اس طبقہ نے اسے ناکام بنا دیا۔ غلام محمد' چودھری محمد علی' غلام اسحاق خان وغیرہ اسی طبقہ کے نمائندہ تھے۔ انہوں نے تو براہِ راست حکومت کی البتہ پاکستان کی ہر فوجی اور سول حکومت اس طبقہ کی یرغمال بنی رہی۔ اس طبقہ کو اسٹیبلشمنٹ بھی کہا جاتا ہے۔ اس طبقہ کی اکثریت غلامانہ ذہنیت کی حامل ہے۔ اسلام جو قیام پاکستان کی واحد وجہ جواز ہے اور جمہوریت جس کی کوکھ سے پاکستان نے جنم لیا ہے لیکن اسلام اور جمہوریت دونوں اس طبقہ کو وارہ نہیں کھاتے تھے یقیناً پاکستان میں اسلام کے عدم نفاذ اور جمہوریت کے عدم استحکام کی اور بھی بہت سی وجوہات ہوں گی لیکن اس طبقہ نے اسلام اور جمہوریت کو پاکستان سے دور رکھنے میں کلیدی رول ادا کیا۔ تحریک آزادی کے دوران جب کانگرس اور مسلم لیگ کی کشمکش آخری مراحل میں تھی' کانگرس کا دعویٰ تھا کہ اکھنڈ ہندوستان میں ہندو مسلم مشترکہ حکومت چل سکتی ہے اور مسلم لیگ کا مؤقف تھا کہ ایسا ممکن نہیں' چودھری محمد علی کی تجویز پر قائداعظم نے اس شرط پر آزمائشی حکومت میں شمولیت پر راضی ہو گئے کہ چاہے تمام وزارتیں کانگرس کو مل جائیں۔ وزارتِ خزانہ مسلم لیگ کے پاس رہے گی۔ کانگرس نے بخوشی یہ شرط قبول کر لی لیکن جب مسلم لیگ کے نمائندے وزیر خزانہ لیاقت علی نے اپنی وزارت کے ذریعے ساری کابینہ کو مفلوج کر دیا کیونکہ ہر پلان اور ہر ترقیاتی منصوبہ

> ملک غلام محمد' چودھری محمد علی' غلام اسحاق خان وغیرہ اسی طبقے کے نمائندے تھے۔
> انہوں نے پاکستان پر براہِ راست حکومت کی۔

وزارت خزانہ کی منظوری کا محتاج ہوتا ہے تو کانگرس نے خود ہی کہہ دیا کہ مشتر کہ حکومت نہیں چل سکتی' یہی فارمولا پاکستان بننے کے بعد بھی استعمال کیا گیا۔ وزیر خزانہ ہمیشہ اسٹیبلشمنٹ کا نمائندہ رہا۔ بہت کم سیاستدان یہ وزارت حاصل کر سکے' ایم ایم احمد' شعیب' شاہد برکی' شوکت عزیز وغیرہ ان میں سے کوئی سیاستدان نہیں۔

ملٹری بیوروکریسی کے ایک بہت بڑے سابقہ بیوروکریٹ جو ضرورت سے زیادہ تعلیم یافتہ ہیں حال ہی میں انہوں نے انکشاف کیا ہے کہ پاکستان کی ایٹمی صلاحیت خود پاکستان کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے اس سے پاکستان کی سلامتی کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ پاکستان کو اپنی ایٹمی صلاحیت ختم کر دینی چاہئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بھارت اگر اپنی ایٹمی قوت میں اضافہ کرتا ہے تو اسے ایسا کرنے دینا چاہئے' یہ دنیا بھر میں ہماری بہت بڑی اخلاقی فتح ہوگی۔ دنیا ہمیں پر امن قوم تسلیم کرلے گی اور کل کلاں اگر کسی دشمن سے خطرہ لاحق ہوگا تو دنیا اخلاقی طور پر مجبور ہو گی کہ ہمارا ساتھ دے اور ہماری حفاظت کا فریضہ ادا کرے اور اس طرح بھارت تنہا ہو جائے گا۔ اللہ ہمارے اس روشن خیال اور امن کے پجاری آفیسر پر رحم فرمائے اور اسے توفیق دے کہ وہ عمر کے اس حصہ میں اپنی آخرت کی فکر کرے۔ سوال یہ ہے کہ جب ہیروشیما اور ناگاسا کی پر ایٹم بم گرے اور دونوں شہر دیکھتے دیکھتے جل کر خاکستر ہو گئے' اس وقت دنیا کی اخلاقیات اور امن پسندی کہاں تھی اور کس نے طاقتور کے ہاتھوں کو روکا تھا۔ آج افغانستان اور عراق پر اپنی بربریت کا مظاہرہ کرنے والے میزائل ٹیکنالوجی سے آشنا اور ایٹمی قوت کے حامل شمالی کوریا کو کیوں محض دھمکیاں دے کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ ابھی گذشتہ سال دھن کا پجاری بھارت اربوں روپے خرچ کر کے اپنی افواج سرحد پر لایا اور پھر کس کی صحبت میں واپس لے گیا۔ 1965ء میں مقبوضہ کشمیر میں چند پھلجڑیاں چلنے پر ہماری لاہور سرحد پر حملہ ہو گیا۔ آج تیرا سال سے اس کی سات لاکھ فوج کشمیر میں خون خرابے کو نہیں روک سکی' لیکن انٹرنیشنل سرحد پر خاموشی چھائی ہے' اگر ایٹمی جوابی حملے کا خوف نہیں تو پھر کس کے حسن کا کرشمہ ہے۔ اس اسٹیبلشمنٹ کے بہت سے کارندے اور دانہ چگنے والے صحافی اور کالم نویس میڈیا میں بھی شامل ہیں۔ خصوصاً انگریزی اخبارات پر ان کا قبضہ ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ مسلمانانِ پاکستان کا اسلام کے ساتھ بڑا گہرا جذباتی لگاؤ ہے۔ وہ اسلام کے بارے میں بھی تضحیک آمیز جملہ بازی کرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ ان کے ذہن تو اس دجالی تہذیب کی گرفت میں ہیں جو انہیں بڑے چمکدار اور طاقتور دکھائی دیتی ہے۔ حال ہی میں ایک کالم نویس نے افغانستان اور عراق میں مزاحمتی تحریک کے بارے میں شرانگیزی کی ہے ان کے کالم کا خلاصہ یہ ہے کہ اولاً تو ایسے کام نہیں کرنے چاہئے تھے جس میں بڑی طاقت کا غضب بھڑ کتا اور اب جو کچھ کیا جا رہا ہے اس سے کیا حاصل ہے۔ سوائے اس کے خون بہہ رہا ہے' انسانی جانوں کا ضیاع ہو رہا ہے۔ جانور مر رہے ہیں' کھیت اجڑ رہے ہیں' عمارتیں تباہ ہو رہی ہیں' بجلی اور مواصلاتی تنصیبات تباہ ہو رہی ہیں وغیرہ یعنی وہ امت مسلمہ کو سمجھا رہے ہیں کہ چھوٹے ممالک کو سپر طاقتوں کی کسی سطح پر نافرمانی نہیں کرنی چاہئے تاکہ خوشحالی برسات بن کر برستی رہے اور اب امریکہ اگر افغانستان اور عراق پر قبضہ کر ہی چکا ہے تو دانشمندی کا تقاضا ہے کہ ایسی بڑی قوت کے خلاف مزاحمت کر کے خونریزی نہ کی جائے تاکہ جوابی کارروائیوں سے سپر قوت مزید کوئی تباہی نہ مچائے۔ وہاں امن وامان قائم کیا جائے۔ قیام امن سے دولت کے جو چشمے پھوٹیں گے ان سے مستفید ہوں اور اپنی آئندہ نسل کا مستقبل تابناک بنانے کے لئے راستہ ہموار کریں۔

یہ مسئلہ اپنی جگہ بالکل الگ ہے کہ طاقت کے عدم توازن کو مکمل طور پر نظرانداز کرنا غلط حکمت عملی ہے یا تشدد اور دہشت گرد کارروائیاں غلط سمت کو سفر ہے لیکن امن کے ایسے بھکاری بن جانا کہ ہر طرح کی پسپائی قبول کر لینا بھی کسی طرح درست نہیں۔

افغانستان اور عراق کی بات تو جملہ معترضہ کے طور پر درمیان میں آ گئی تھی اصل بحث تو ہمارے حکمرانوں کی غلامانہ ذہنیت کے بارے میں تھی اور اس سلسلے کی آخری بات یہ ہے کہ محترمہ زبیدہ جلال وزیر تعلیم حکومت پاکستان امریکہ تشریف لے گئیں ہیں اور وہ کونڈولیزا رائس سے ملاقات کر کے انہیں بتا رہی ہیں کہ ہم نے اپنے تعلیمی نصاب میں سے فلاں فلاں بات نکال دی ہے اور فلاں فلاں مضامین شامل کر دیئے ہیں اور کونڈولیزا رائس نے ان کی خدمات کو سراہا ہے۔

## قرآن اور مغربی مفکرین

☆ نپولین بوناپارٹ: مجھے امید ہے کہ میں دنیا کے تمام دانا اور باشعور لوگوں کو یکجا کر کے قرآنی تعلیمات کی روشنی میں ایک لاثانی نظام قائم کروں گا کیونکہ صرف یہی تعلیمات انسان کو حقیقی معنوں میں مسرتوں سے روشناس کرا سکتی ہیں۔

☆ موسیو اوجین کلافل: قرآن مذہبی قواعد و احکام ہی کا مجموعہ نہیں بلکہ اس میں اجتماعی اور سوشل احکام بھی موجود ہیں جو انسانی زندگی کے لئے بہرحال مفید اور موزوں ہیں۔ یہ مجموعہ قوانین دنیا کی مذہبی تمدنی ہدایتوں کے لئے کافی ہے۔

☆ اسٹین لی لین پول: قرآن نے دنیا کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی۔ اصول مذہبیت' علوم و حقائق سکھائے' ظالموں کو رحم دل اور وحشیوں کو پرہیزگار بنایا۔ اگر یہ کتاب نہ ہوتی تو انسانی اخلاق تباہ ہو جاتے۔

☆ سیموئیل جانسن: قرآن کے مطالب ایسے ہمہ گیر اور ہر زمانہ کے لئے اس قدر موزوں ہیں کہ زمانے کی صدائیں خواہ مخواہ اس کو قبول کر لیتی ہیں اور وہ محلوں' ریگستانوں' شہروں اور سلطنتوں میں گونجتا پھرتا ہے۔

☆ چارلس فرانس پوٹر: دنیا کی کوئی کتاب اتنی کثرت سے نہیں پڑھی جاتی جتنا قرآن پڑھا جاتا ہے ہو سکتا ہے کہ بائبل کی جلدیں زیادہ فروخت ہوتی ہوں لیکن پیغمبر اسلام کے کروڑوں پیروکار قرآن کی لمبی لمبی آیات دن میں پانچ مرتبہ پڑھتا اس وقت سے شروع کرتے ہیں جب وہ باتیں کرنا سیکھتے ہیں۔

☆ لارڈ ہف کرفل: قرآن میں عقائد و اخلاق اور ان کی بناء پر قانون کا مکمل نظام موجود ہے۔ اس میں ایک وسیع جمہوری سلطنت کے ہر شعبہ کی بنیادیں رکھ دی گئی ہیں۔ تعلیم' عدالت' عربی' انتظامات' مالیات کے حوالے سے نہایت عمدہ قوانین کا مرقع ہے۔

☆ پروفیسر ہربرٹ وائل: قرآن اخلاقی ہدایتوں اور اعلیٰ کی باتوں سے بھرا ہوا ہے جس نے عالم انسانیت کی زبردست اصلاح کی ہے۔ جس شخص نے اس کے مضامین پر غور کیا ہے وہ اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ یہ ایک مکمل قانون ہدایت ہے۔

# علامہ اقبال اور نظریۂ پاکستان

تبصرہ نگار: سید قاسم محمود

اگست 2003ء میں ''ندائے خلافت'' کا ''نظریۂ پاکستان نمبر'' شائع ہوا تو ہمارے مشفق و محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے بڑے شفقت آمیز انداز میں شکوہ کیا تھا کہ اس میں علامہ اقبال کا ذکر کم ہے' جتنا ہونا چاہئے تھا' اتنا نہیں ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے نظریئے کا خالق اقبال ہے' قائداعظم نہیں۔ قائداعظم تو اس نظریئے کے وکیل ہیں اور بے مثال وکیل ہیں۔ اس وقت میں نے عرض کیا تھا کہ علامہ اقبال کے خیالات کا تذکرہ تفصیل سے ''تحریک پاکستان نمبر'' میں کیا جائے گا۔ ''نظریۂ پاکستان نمبر'' میں دو چار مقامات پر اشارے دیئے گئے ہیں۔

راقم السطور آج کل ''تحریک پاکستان نمبر'' کے لئے متعلقہ کتب و رسائل کی ورق گردانی میں مصروف ہے۔ چنانچہ ایک چھوٹی سی کتاب Letters of Iqbal to Jinnah بھی عرصے کے بعد دوبارہ نظر سے گزری۔ یہ خطوط اب پڑھے تو محسوس ہوا کہ محترم ڈاکٹر صاحب ٹھیک کہتے تھے۔ علامہ صاحب کے نظریات کا مفصل ذکر ''نظریۂ پاکستان نمبر'' ہی میں ہونا چاہئے تھا۔ بہرصورت یہاں علامہ صاحب کے صرف ان ''خطوط'' کی روشنی میں دوقومی نظریئے کے بارے میں ان کے خیالات کا اجمالی تذکرہ مقصود ہے۔

یہ خطوط مسلمانانِ ہند کی تاریخ کا ایک بڑا اہم حصہ ہیں۔ یہ چودہ خطوط ہیں جو 23 مئی 1936ء سے 17 نومبر 1937ء کے دوران میں لکھے گئے' یعنی علامہ صاحب نے اپنی زندگی کے آخری سال میں تحریر کئے اور تقریباً ہر خط کی پیشانی پر ''ضروری'' یا ''صیغۂ راز'' لکھ کر تاکیدی زور دیا۔ یہ خطوط علامہ اقبال اور قائداعظم کے درمیان گہرے تعلقات اور فکری ہم آہنگی کی نشاندہی کرنے کے ساتھ ساتھ پاکستان کی نظریاتی اساس کا تعین بھی کرتے ہیں۔ یہاں ان خطوط کے چند اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں جن سے علامہ اقبال کے نظریۂ پاکستان کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ سب سے پہلے علامہ اقبال ہی نے مسلمانانِ ہند کے لئے جداگانہ ملی تشخص کی خاطر اسلامی ریاست کی بات 1930ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الٰہ آباد میں کی۔ آپ نے اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا: ''میری خواہش ہے کہ پنجاب' صوبہ سرحد' سندھ اور بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ملا دیا جائے' خواہ یہ ریاست سلطنتِ برطانیہ کے اندر حکومت خود اختیاری حاصل کرے' خواہ اس کے باہر۔ مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ اور نہیں تو شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو آخر ایک منظم اسلامی ریاست قائم کرنی پڑے گی۔''

20 مارچ 1937ء کو علامہ صاحب نے جناح صاحب کو لکھا: ''میرا خیال ہے کہ آپ نے پنڈت جواہر لال نہرو کا وہ خطبہ جو انہوں نے ''آل انڈیا نیشنل کونشن'' میں دیا ہے' پڑھا ہو گا اور اس کے بین السطور جو پالیسی کارفرما ہے' اس کو آپ نے بخوبی محسوس کر لیا ہو گا۔ جہاں تک اس کا تعلق ہندوستان کے مسلمانوں سے ہے' میں سمجھتا ہوں' آپ بخوبی آگاہ ہیں کہ (1935ء) کے نئے دستور نے ہندوستان کے مسلمانوں کو کم از کم اس بات کا ایک نادر موقع دیا ہے کہ وہ ہندوستان اور مسلم ایشیا کی آئندہ سیاسی ترقی کے پیش نظر اپنی قومی تنظیم کر سکیں گے۔ اگرچہ ہم ملک کی دیگر ترقی پسند جماعتوں کے ساتھ تعاون کے لئے تیار ہیں' تاہم اس حقیقت کو نظرانداز نہیں کرنا چاہئے کہ ایشیا میں اسلام کی اخلاقی اور سیاسی طاقت کے مستقبل کا انحصار بہت حد تک ہندوستان کے مسلمانوں کی مکمل تنظیم پر ہے' اس لئے میری تجویز ہے کہ ''آل انڈیا نیشنل کونشن'' کو ایک موثر جواب دیا جائے۔ آپ جلد از جلد دہلی میں ایک ''آل انڈیا نیشنل کونشن'' منعقد کریں' جس میں شرکت کے لئے نئی صوبائی اسمبلیوں کے اراکین کے علاوہ دوسرے مقتدر مسلم رہنماؤں کو بھی مدعو کریں۔ اس کونشن میں پوری قوت اور قطعی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیں کہ سیاسی مطمح نظر کی حیثیت سے مسلمانانِ ہند ملک میں جداگانہ سیاسی وجود رکھتے ہیں۔ یہ انتہائی ضروری ہے کہ اندرون اور بیرون ہند کی دنیا کو بتا دیا جائے کہ ملک میں صرف اقتصادی مسئلہ ہی تنہا ایک مسئلہ نہیں ہے۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے ثقافتی مسئلہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے اپنے اندر زیادہ اہم نتائج رکھتا ہے اور کسی صورت سے بھی یہ اقتصادی مسئلے سے کم اہمیت نہیں رکھتا۔ اگر آپ ایسی کونشن منعقد کر سکیں تو پھر ایسے مسلم اراکین اسمبلی کی حیثیتوں کا امتحان ہو جائے گا' جنہوں نے مسلمانانِ ہند کی امنگوں اور مقاصد کے خلاف جماعتیں قائم کر رکھی ہیں۔ مزید برآں اس سے ہندوؤں پر یہ عیاں ہو جائے گا کہ کوئی سیاسی حربہ خواہ کیسا ہی عیارانہ کیوں نہ ہو' پھر بھی مسلمانانِ ہند اپنے ثقافتی وجود کو کسی طور پر نظرانداز نہیں کر سکتے۔''

اس خط میں علامہ اقبال نے جس ''آل انڈیا نیشنل کونشن'' کا ذکر کیا ہے' وہ نیشنل کانگرس کے صدر پنڈت جواہر لال نہرو نے 19 مارچ 1937ء کو دہلی میں اس وقت طلب کی تھی جب کہ 1936ء۔ 1937ء کے انتخابات میں کانگرس کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی تھی' اور جس میں ان تمام اراکین اسمبلی نے شرکت کی جو کانگرس کے ٹکٹ پر مختلف صوبائی اسمبلیوں کے منتخب ہوئے تھے۔ پنڈت نہرو نے اپنے صدارتی خطاب میں مسلمانوں کے جداگانہ سیاسی وجود کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ برعظیم کا حل طلب مسئلہ صرف ''اقتصادی'' ہے۔ علامہ صاحب نے اپنے اس خط میں قائداعظم کو تحریک کی کہ وہ جوابی کارروائی کے طور پر آل انڈیا مسلم کونشن منعقد کریں' مگر ان کی خواہش کے مطابق ایسی کونشن منعقد نہ ہو سکی' البتہ اپریل 1946ء میں دہلی میں مسلم نمائندگان کا ایک کونشن ہوا جس میں مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے منتخب اراکین شامل ہوئے تھے۔ یہ کونشن درحقیقت علامہ صاحب کی 1937ء کی خواہش کی تکمیل کی صورت تھی۔

تین ماہ کے بعد 28 مئی 1937ء کو علامہ صاحب نے قائداعظم کو جو Confidential خط لکھا' اس میں علامہ صاحب نے اپنے الٰہ آباد والے خطبے کی گویا تفسیر کی ہے۔ لکھتے ہیں: ''آپ کے گرامی نامے کا شکریہ جو مجھے اس اثناء میں ملا۔ مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ مسلم لیگ کے دستور اور پروگرام میں جن تبدیلیوں کے متعلق میں نے تحریر کیا تھا' وہ آپ کے پیش نظر رہیں گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانانِ ہند کی نازک صورت حال کا آپ کو پورا پورا احساس ہے۔ مسلم لیگ کو آخرکار یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کے بالائی طبقوں کی ایک جماعت بنی رہے گی یا مسلم عوام کی' جنہوں نے اب تک

بعض قابلِ فہم وجوہ کی بنا پر اس (مسلم لیگ) میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ میرا ذاتی خیال یہی ہے کہ کوئی سیاسی تنظیم جو عام مسلمانوں کی حالت سدھارنے کی ضامن نہ ہو' ہمارے عوام کے لئے باعث کشش نہیں ہو سکتی۔

"نئے دستور کے تحت اعلیٰ ملازمتیں تو بالائی طبقوں کے بچوں کے لئے مختص ہیں اور ادنیٰ ملازمتیں وزراء کے اعزا اور احباب کی نذر ہو جاتی ہیں۔ دیگر امور میں بھی ہمارے سیاسی اداروں نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی طرف کبھی غور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ روٹی کا مسئلہ روز بروز نازک ہوتا جا رہا ہے۔ مسلمان محسوس کر رہے ہیں کہ گزشتہ دو سو سال سے وہ برابر تنزل کی طرف جا رہے ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ اس غربت و افلاس کی وجہ ہندو کی ساہوکاری (سودخوری) اور سرمایہ کاری ہے۔ یہ احساس کہ اس میں غیر ملکی حکومت بھی برابر کی شریک ہے' ابھی پوری طرح نہیں ابھرا' لیکن آخر کو ایسا ہو کر رہے گا۔ جواہر لال نہرو کی بے دین اشتراکیت مسلمانوں میں کوئی تاثر پیدا نہ کر سکے گی۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کی غربت کا علاج کیا ہے۔ مسلم لیگ کا سارا مستقبل اس بات پر منحصر ہے کہ وہ یہ مسئلہ حل کرنے کے لئے کیا کوشش کرتی ہے۔ اگر مسلم لیگ نے (اس ضمن میں) کوئی وعدہ نہ کیا تو مجھے یقین ہے کہ مسلم عوام پہلے کی طرح اس سے بے تعلق رہیں گے۔ خوش قسمتی سے اسلامی قانون کے نفاذ میں اس کا حل موجود ہے اور موجودہ نظریات کی روشنی میں (اس میں) مزید ترقی کا امکان ہے۔

"اسلامی قانون کے طویل و عمیق مطالعے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر اس نظامِ قانون کو اچھی طرح سمجھ کر نافذ کیا جائے' تو ہر شخص کے لئے کم از کم حقِ معاش محفوظ ہو جاتا ہے لیکن شریعتِ اسلام کا نفاذ اور ارتقا ایک آزاد مسلم ریاست یا ریاستوں کے بغیر اس ملک میں ناممکن ہے۔ سالہا سال سے یہی میرا عقیدہ رہا ہے اور اب بھی میرا ایمان ہے کہ مسلمانوں کی غربت و افلاس (روٹی کا مسئلہ) اور ہندوستان میں امن و امان کا قیام اسی سے حل ہو سکتا ہے۔ اگر ہندوستان میں یہ ممکن نہیں ہے تو پھر دوسرا متبادل راستہ صرف خانہ جنگی ہے جو فی الحقیقت ہندو مسلم فسادات کی شکل میں کچھ عرصے سے جاری ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ملک کے بعض حصوں' مثلاً شمال مغربی ہندوستان میں فلسطین (کی داستان) دہرائی جائے گی۔ جواہر لال نہرو کی اشتراکیت کا ہندوؤں کی ہیئتِ سیاسیہ کے ساتھ پیوند بھی خود ہندوؤں کے آپس میں خون خرابہ کا باعث ہو گا۔ اشتراکی یہودیت اور برہمنیت کے درمیان وجۂ نزاع برہمنیت اور بدھ مت کے درمیان وجۂ نزاع سے مختلف نہیں ہے۔ آیا اشتراکیت کا حشر ہندوستان میں بدھ مت کا سا ہو گا یا نہیں؟ میں اس بارے میں کوئی پیشگوئی نہیں کر سکتا' لیکن میرے ذہن میں یہ بات صاف ہے کہ اگر ہندو دھرم اشتراکی جمہوریت اختیار کر لیتا ہے تو خود ہندو دھرم ختم ہو جاتا ہے۔ اسلام کے لئے اشتراکی جمہوریت کو مناسب تبدیلیوں اور اسلام کے اصولِ شریعت کے ساتھ اختیار کر لینا کوئی انقلاب نہیں' بلکہ اسلام کی حقیقی پاکیزگی کی طرف رجوع ہو گا۔ موجودہ مسائل کا حل مسلمانوں کے لئے ہندوؤں سے کہیں زیادہ آسان ہے' لیکن جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے' مسلم ہندوستان کے ان مسائل کا حل آسانی سے کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ملک کو ایک یا زیادہ مسلم ریاستوں میں تقسیم کیا جائے' جہاں پر مسلمانوں کی واضح اکثریت ہو۔ کیا آپ کی رائے میں اس مطالبے کا وقت نہیں آ پہنچا۔ شاید جواہر لال نہرو کی بے دین اشتراکیت کا آپ کے پاس یہ بہترین جواب ہے۔"

اس خط میں علامہ صاحب نے مسلمانانِ ہند کی جداگانہ آزاد ریاست کے قیام کے بارے میں واضح طور پر سوالیہ انداز میں قائداعظم سے کہا ہے: "اس مطالبے کا وقت آ پہنچا ہے۔" چنانچہ تین سال کے بعد **23** مارچ **1940**ء کو "قراردادِ لاہور" کی شکل میں یہ مطالبہ کر کے علامہ موصوف کی یہ خواہش بھی پوری ہوئی۔

علامہ صاحب کے ان چودہ خطوط کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ دو قومی نظریئے کی اساس پر شمال مغربی ہندوستان میں ایک آزاد اور خودمختار اسلامی ریاست کو اپنی زندگی ہی میں متشکل ہوتا ہوا دیکھنا چاہتے تھے۔ اپنی آخری علالت کے زمانے میں **1938**ء کی پہلی سہ ماہی میں (اپنی وفات **21** اپریل **1938**ء سے قبل) اپنے دوست غلام رسول خان صاحب سے قائداعظم کو پے در پے خطوط لکھوا کر مسلم لیگ اور خصوصاً پنجاب کی صوبائی مسلم لیگ کی الجھنیں' جو سردار سکندر حیات خان کی پیدا کردہ تھیں' سلجھاتے رہے۔

انگریزی زبان میں یہ خطوط تحریک پاکستان کے ایک ممتاز کارکن جناب محمد شریف طوسی نے بمبئی میں قائداعظم کے ذاتی کتب خانے میں اپنی کتاب کی تیاری کے لئے مواد تلاش کرتے وقت دریافت کئے تھے اور قائداعظم کی اجازت اور منظوری سے مختصر سی کتاب کی صورت میں شیخ محمد اشرف' ناشر کتب' لاہور نے قیامِ پاکستان سے قبل شائع کی تھی۔ انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرنے کا حق پروفیسر محمد جہانگیر عالم نے ادا کیا ہے' اور ترجمے کے ساتھ ساتھ ایک گراں قدر مقدمہ اور مفید حواشی لکھ کر اسے ایک اہم تاریخی اور علمی تالیف بنا دیا ہے۔ الفیصل' ناشران' اردو بازار نے اس کا نیا ایڈیشن طبع کیا ہے۔ قیمت **75** روپے مقرر کی ہے۔


کتابی صورت میں شائع ہو گیا ہے

# پیامِ اقبال

بنام

# نوجوانانِ ملّت

مؤلف: سید قاسم محمود

سالِ اقبال **2002**ء کے سلسلے میں "مرکزی انجمن خدام القرآن" کے زیرِ اہتمام ہفت روزہ "ندائے خلافت" نے نوجوانانِ اسلام کے نام "اقبال کا پیام" اپنی "اشاعتِ خصوصی" میں رنگین طباعت کے ساتھ شائع کیا تھا' جسے غیر معمولی پذیرائی حاصل ہوئی اور اب طلبہ کی فرمائش پر اس اہم دستاویزی شمارے کو کتابی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ ہر گھر' کالج' سکول اور طالب علم کے لئے انتہائی مفید ہے۔

✿ تازہ بہ تازہ' خوبصورت کتاب ✿ صفحات **212** ✿ قیمت: **90** روپے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' K-36 ماڈل ٹاؤن' لاہور

# تحریکِ جہاد کے عقائد ونظریات

سید قاسم محمود

یہ درست ہے کہ تحریکوں پر جب تشدد ہوتا ہے، جب دشمن کی یلغار اس قدر تند و تیز ہوتی ہے کہ اس کے سامنے ٹھہرنا مشکل ہوتا ہے تو تحریکیں دب ضرور جایا کرتی ہیں۔ وہ پیچھے بھی ہٹ جاتی ہیں، اس مخصوص موقع پر شکست بھی تسلیم کر لیتی ہیں، لیکن یہ کہنا کہ فلاں تحریک ناکام ہو گئی، اس کے معانی بہت وسیع ہوتے ہیں۔ اس ناکامی کا تجزیہ بھی اپنے اندر بے پناہ وسعتیں لئے ہوئے ہوتا ہے کیونکہ کسی تحریک کی ناکامی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ تحریک مجموعی طور پر معاشرے کے لئے قابل قبول نہ تھی اور وہ اپنے دشمنوں کے مقابلے میں اتنی سکت نہ رکھتی تھی کہ وہ پورے معاشرے کو منظم اور متحد کر کے دشمن کو شکست دے سکتی۔ اس لئے اب ضروری ہو جاتا ہے کہ پوری توجہ اس طرف مبذول کی جائے کہ وہ حالات اور وجوہات کیا تھیں جو اس بات کی وضاحت کر سکیں کہ یہ تحریک پورے معاشرے کو متحد و منظم کیوں نہ کر سکی اور اس کے مقابلے میں دشمن کیوں کامیاب ہو گیا۔ کیونکہ اگر کوئی تحریک معاشرے کو متحد و منظم کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے، اپنے عوام کو قائل کر لیتی ہے، اس کا موقف، نظریہ اور مسلک عوام کو متحرک کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، تو پھر یہ کہنا درست ہے کہ اگر دشمن کسی وجہ سے، مثلاً بھاری بھرکم ہونے کی وجہ سے اس تحریک کو شکست دینے میں کامیاب بھی ہو جاتا ہے تو اس کے باوجود یہ تحریک قائم و دائم رہتی ہے اور کچھ عرصے کے بعد وہ اس سے بھی زیادہ زوردار طاقت کے ساتھ ابھرتی ہے اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ تحریک اپنی منزل کو جا لیتی ہے۔ اس تحریک کی ناکامی پر اس مطمح نظر سے اور اس وسعت سے نگاہ ڈالنے کا یہ مطلب نہیں کہ میدان جنگ کے داؤ پیچ یا لشکروں کا تناسب یا اپنے علاقے کی آبادی کے تعاون و عدم تعاون کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتے اور ناکامیوں اور شکستوں کی وجوہات میں ان کا کوئی درجہ ہی نہیں ہوتا۔ یہ تمام چیزیں بہت ہی اہم ہیں۔ اس تحریک کے سلسلے میں ان سب وجوہات اور کوائف کو بیان ہونا چاہئے۔ ان تفصیلات کے تین پہلو ہیں: اولاً تو خود اس تحریک کے نظریات اور عقائد، دوم ان نظریات اور عقائد کے علاوہ بھی مسلمانوں کے اندر اس وقت کوئی اور رجحانات و نظریات موجود تھے۔ ان کے اثرات کیا تھے اور وہ کس حد تک اس تحریک کے مقابلے میں کسی دوسرے طریق کار کی ترجمانی کرتے تھے؟ تیسرے برصغیر کے غیر مسلموں میں کون سی تحریکیں اٹھ رہی تھیں؟ یہ تحریکیں کیا طریق کار استعمال کر رہی تھیں؟ اور سب سے آخر میں اس پہلو پر روشنی پڑنی چاہئے کہ برصغیر میں آیا کوئی ایسا رجحان، ایسی تحریک، ایسا ادارہ موجود تھا جو پورے ملک کو متحد اور منظم کر سکے؟ ان مختلف پہلوؤں پر تفصیلی گفتگو سے اس تحریک کی ناکامی کے اسباب ڈھونڈے جا سکیں گے۔

## عقائد ونظریات

اس پہلو پر خاصی روشنی ڈالی جا چکی ہے اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس تحریک کے عقائد و نظریات نے مسلمانوں کے ایک طبقے کو خاصا متاثر کیا اور یہ طبقہ محرومین کا وہ طبقہ تھا جو مسلمانوں کی حکومت کی زوال کے باعث اقتدار سے محروم ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ مختلف طاقتوں کی مڈبھیڑ اور لوٹ مار نے بھی ایک گونہ اضطراب اور پریشانی بہم پہنچا دی تھی۔ تیسرے سب سے زیادہ متاثر علاقے بنگال اور بہار تھے۔ یہاں کے عام مسلمان کاشت کار اور پارچہ باف کی زندگی ایسٹ انڈیا کمپنی اور ہندو زمیندار کے غیر شعوری اتحاد نے درہم برہم کر دی تھی۔ ان میں زبردست اضطراب اور بے چینی نے وہاں فرائضی اور تیطو میاں کی تحریکوں کو جنم دیا تھا۔ چنانچہ جب ہندوستان کی سرحد پر جہاد کا نعرہ بلند ہوا تو جس اضطراب اور بے چینی کی تشفی فرائضی تحریک سے نہ ہو سکی تھی، اس کی تشفی کے لئے یہ کاشت کار اور پارچہ باف ہزاروں میل کی مسافت طے کر کے جہاد کے لئے سرحد پر جانے کے لئے تیار رہتے تھے اور یہ سلسلہ سید احمد کے زمانے میں مقابلتہً کم رہا لیکن ان کی شہادت کے بیس پچیس برس بعد تک یہ سلسلہ کہیں زیادہ شدت سے جاری ہو گیا۔ اس لئے کہ سب سے زیادہ متاثر علاقہ بنگال اور بہار ہی تھا اور یہی وہ خطہ تھا جہاں کی اقتصادی زندگی چوپٹ ہو گئی تھی۔ اس لئے یہ سمجھنا کہ دینی تحریکوں کے پیچھے اقتصادی اور معاشی وجوہات کام نہیں کرتیں، بالکل غلط ہے۔ تحریکوں کا ظاہری ڈھانچہ خواہ کسی قسم کا ہو، اس کا فلسفہ کتنا ہی الہیاتی ہو، اس کے پیچھے یہ تمام عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔

اس لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ دینی عقائد اور نظریات کو دین کی حدود ہی میں محدود کر کے نہ دیکھا جائے۔ یہ درست ہے کہ تحریکوں کے اکابرین جب اپنے عقائد اور نظریات کی تبلیغ کرتے ہیں تو ان کے مقاصد دینی تعلیمات کی اساس ہوتے ہیں۔

لیکن سوال تو یہ ہے کہ ایک مخصوص دور میں بعض مخصوص پہلوؤں کے بارے میں دینی تعلیمات پر زور دیا جاتا ہے۔ اسی کو دین کا سب سے اہم رکن قرار دے کر اجاگر کیا جاتا ہے۔ اب مثال کے طور پر خود سید احمد کی تحریک ہی کو لیجئے، ایک وقت میں اس تحریک کا پورا اصرار عقائد کی درستی پر تھا اور وہ بھی ایسے عقائد جو توحید کی راہ میں رکاوٹ بن رہے تھے، اس لئے کہ جب تک توہم پرستی، قبر پرستی، پیروں فقیروں سے اعتقاد بے جا زائل نہیں ہوتا، اس وقت تک لوگوں میں خود اعتمادی اور اللہ پر بھروسا اور اس کا جذبہ پیدا نہیں ہو سکتا اور اس کو جب تک صحیح معنوں میں قادر مطلق نہ یقین کر لیا جائے، اس وقت تک تمام دوسرے قادروں سے بغاوت نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ یہ عقائد و نظریات تحریک کے ابتدائی دور میں دیکھنے میں آتے ہیں لیکن اس کے بعد دوسرا دور جہاد کا ہوتا ہے اور تلوار اٹھانے کے متعلق عوام کو تیار کیا جاتا ہے اور تمام دین کی وسعتیں اس مقصد پر سمٹ جاتی ہیں اور اس جہاد میں کامیابی کے لئے تمام طریقے اور ہر قسم کے وعظ اور تدریس سے کام لیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے ضروری تھا کہ قائد تحریک کو ایک ریفارمر کی حیثیت سے پیش کیا جائے۔ اسی صورت میں وہ لوگوں میں نظم و ضبط پیدا کر سکتا ہے۔ چنانچہ اسی جہاد کے دوران میں سید احمد کی امامت کو تسلیم کیا گیا۔ یہ تمام مراحل دینی حدود میں تھے، لیکن وقت کی ضرورتوں کے تحت ہی ان پر اصرار ہوا اور اس سلسلے میں اگر شاہ اسماعیل کی معرکۃ الآراء کتاب "منصب امامت" کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ کس طرح امامت سے مقصد ایک پوری تحریک کی قیادت ہے اور اس سے بھی مترشح ہوتا ہے کہ مقصد ایک پوری تحریک کی قیادت ہے اور اس سے مترشح ہوتا ہے کہ اس تحریک کا خاکہ کافی دونوں پہلے شاہ ولی اللہ کے خاندان کے ذہنوں میں مرتب ہو چکا تھا۔ اسی کی روشنی میں درس و

تدریس اور تصنیف وتالیف کا کام ہو رہا تھا۔

## دعوت وتبلیغ

سید احمد کی تحریک میں شاہ اسماعیل کا درجہ بہت بلند ہے اور بعض صورتوں میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس تحریک کے داؤ پیچ متعین کرنے میں ان کو اولیت حاصل ہے اور اس مقصد کے لئے ان کی تصانیف کا درجہ بہت بلند ہے کیونکہ ان سے اس تحریک کے طریق کار کے بارے میں خاصا اہم مواد ملتا ہے۔ اپنی معرکۃ الآرا تصنیف ''منصب امامت'' میں لکھتے ہیں:

''حق جل وعلیٰ اپنی حکمت کاملہ سے ان مقبولان بارگاہ کو مختلف مزاج لوگوں کی تربیت کا سلیقہ اور فصیح کلام اور بیان بلیغ کی قوت' مقدمہ ہدایت' تقریر' اظہار مافی الضمیر کے باب میں عطا فرما دیتا ہے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے داؤد علیہ السلام کے حق میں فرمایا کہ ہم نے اس کو حکمت اور فصل خطابت عطا فرمائے۔ حکمت سے مراد یہی تربیت کا سلیقہ ہے اور فصل خطابت کے معنی بیان بلیغ ہے اور حضرت نبی ﷺ کو ارشاد فرمایا ہے کہ ان کے نفسوں سے بلاغت سے بات کرو۔ لیکن غور کرنا چاہئے کہ ہادیان مبعوث کی دعوت اور طرح کی ہوتی ہے اور دانش مندان فنون کی تعلیم دوسری طرح کی۔ ان کے درمیان تمیز کرنا دو طرح پر ہے:

اول یہ کہ ان کی دعوت کا کلام محاورات اہل عرف پر جاری ہوتا ہے جو کہ اپنے معاملات اور مکالمات میں اس کو استعمال کرتے ہیں اور دانایان علم کلام اور مصنفین کتب کی اصطلاحات پر جاری نہیں ہوتا کہ اپنی تحریر وتقریر کو اس کی بنا پر کریں۔ بہت سے محاورات ہیں جو حقیقت اور اصلیت کی نسبت مشہور مجاورات میں زیادہ تر رائج ہوتے ہیں اور بہت سی قیود اتفاقی ہیں نہ کہ احترازی اور بہت سے تکرار ہیں جو محض تقریر وتاکید کے لئے ہوتے ہیں نہ کہ مضمون جدیدہ کے فائدے کے لئے۔ اور بہت سے مضمون ہیں کہ ان کے جزو سے بھی معانی نکل آتے ہیں اور ان میں سے کسی قدر قرائن حالیہ کے محتاج ہوتے ہیں اور بہت سے کلمات ہیں جو اپنی اصلیت سے نکل کر اور غلط العوام ہو کر خاص وعام کی زبان پر رائج ہو جاتے ہیں اور اسی رائج طریقے سے کلام کرنا فصیح معلوم ہوتا ہے اور اصلی قانون غیر فصیح ہو جاتے ہیں۔ الحاصل ان کے کلام دعوت کو تقریر وخطاب سے جاننا چاہئے کہ اس تصنیف کا قانون سمجھا جائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ تربیت قوم کے باب میں ان کا حال مہربان باپ کی طرح یا دانش مند استاد کی طرح ہوتا ہے جو اپنی تربیت کی نظر سے بیٹے کے حال کی طرف توجہ کر دیتے ہیں۔ جب کوئی غیر مناسب بات اس سے ظاہر ہو جائے تو اس سے محبت وانس' ادب یا سختی' مشورہ یا اصلاح سے یا طبیعت ومزاج کے رنگ سے یا کنایہ واشارہ سے یا مناسب حال اشعار کی شعرخوانی سے یا بیان مثالی سے بیان دے کر یا کبھی گزشتہ عبرت ناک قصے سنا کر' غرض جس طرح سے ممکن ہوا اسے نامناسب بات سے آگاہ کر دیتے ہیں اور اس طرح سے جب اسے عمل مستحسن کرتے دیکھتے ہیں لیکن اس طریقے سے اسے ناواقف پاتے ہیں تو اس کو اس کی ادائیگی کے طریقوں سے خبردار کر دیتے ہیں یا اس طرح بتاتے ہیں کہ اس کے روبرو اس فعل کو احسن طور پر ادا کرتے ہیں تاکہ اسے دیکھ کر اس کے اصول سے آگاہ ہو جائے۔ غرض ان کے کلام کی اقسام فضیلت کا ایک جزو ہوتی ہیں۔ پس ان سے دعوت تو اسی طریقے سے ظاہر ہوتی ہے لیکن درسگاہوں کے معلموں کی طرح نہیں ہوتی جو تدریس علم کے لئے ایک وقت مقرر کر دیتے ہیں اور اسی خاص وقت پر بیٹھ کر ابواب احکام کی تعلیم کے باب میں طہارت یا صلوٰۃ و زکوٰۃ کے مسائل کا دورہ کرتے ہیں۔ اور اسی قسم کے مسائل کو اسی مجلس میں خواہ فرضی ہو یا واقعی' مسلسل طور پر شمار کرتے ہیں۔ یہ طریقہ دانش مندوں کا ہے' تربیت کنندوں کی روش نہیں ہے۔ ان کی دعوت کا فائدہ ان کے فیض صحبت سے مربوط اور ان کے کلام کا کامل نفع ان کی بہت سی خدمت کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ کتاب کے نکات اور تکلفات کے بیان سے متنفر ہوتے ہیں۔ امی ہونے کی شان ان پر غالب ہوتی ہے اور تعمق وتکلف سے دور' سادگی پسند اور بے تکلف ہوتے ہیں۔''

## دعوت کے دو طریقے

جاننا چاہئے کہ دعوت کے دو طریقے ہوتے ہیں اور ایسے لوگوں سے یہ دعوت انہی دو طریقوں سے ظاہر ہوتی ہے۔

اوّل: بیان حکمت۔ دوم: کلام موعظت

### بیان حکمت

اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ رب العزت اپنی خاص رحمت سے ان کو قوت بیان اس طرح عنایت فرما دیتے ہیں کہ اپنے مافی الضمیر کے مقاصد کو دلائل وبراہین' تمثیلات و تشبیہات سے اس طرح روشن کرتے ہیں کہ ان کا مدعا سامعین کی نظر میں یہاں تک ظاہر ہو جاتا ہے کہ معقول معانی محسوس صورت میں ظاہر ہو جاتے ہیں اور اس کی صورت ہو بہو سامعین کے صفحۂ خیال پر منقش ہو جاتی ہے۔ حتی کہ ہر سامع کو صدق دل سے ان کی گواہی ظاہر ہوتی ہے اور ہر سلیم الوجود کے دل کو ان کے صدق سے اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ ہر صاحب عقل کی عقل انہیں پسند کرتی ہے اور ہر صاحب خیال کا خیال ان کی طرف پرواز کرتا ہے۔ اگرچہ بہت سے سامعین اپنی ہٹ دھرمی سے انہیں منظور نہیں کرتے اور تعصب کے سبب سے اپنی زبان سے ان کا اقرار نہیں کرتے لیکن دل میں وہ بھی جانتے ہیں کہ حق انہی کی طرف ہے اور تکبر وعُجب خود اپنے آپ میں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''انہوں نے اس کا انکار کیا جو ہم نے ان کو کہا مگر ان کے دلوں کو یقین تھا کہ ظلم اور تکبر سے انکار کیا۔''

### کلام موعظت

کلام موعظت کا بیان یہ ہے کہ اکثر اوقات غافلوں کی بیداری' جاہلوں کی آگاہی اور پست طبقوں کی بلند ہمتی کے لئے شوق آمیز اور وجد انگیز کلام' محبت الٰہی کا بیان' وسعت رحمت اور شدت غضب کا ذکر یا ان معاملات راز و نیاز کا بیان جو اللہ عزوجل اور اس کے بندوں کے درمیان ہو' سلف وخلف کی زمانے کی گردش' سکھ اور دکھ کے معاملات کی تفصیلات اور برزخ وقیامت اور دوزخ وبہشت کے احوال یا ان کی مانند ایسے حالات سناتے ہیں جس سے سامعین کے دل میں امنگ اور جوش پیدا ہو اور دل کی قساوت دور ہو کر رقت قلبی حاصل ہو۔ اگرچہ ایسے کلمات ہر زمانے میں واعظوں کی زبان سے صادر ہوتے ہیں' لیکن واعظوں کا مقصد اس حد تک ہوتا ہے کہ رقت' جگر گداز نعرے' وجد و اضطراب اور پیچ وتاب کی حالت حاضرین مجلس سے ظاہر ہو اور انبیاء علیہم السلام کا مقصد یہ نہیں ہوتا بلکہ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بندگان خدا کو احکام رب العزت میں مقام اطاعت اور فرمانبرداری کے وسیلے کا رسوخ پیدا ہو' تاکہ ان کے تہذیب اخلاق اور اصلاح اعمال کا باعث ہو۔ اسے موعظت حسنہ کہتے ہیں۔

جاری ہے

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی اور مقبول عام دستاویز جس کا انگریزی' عربی' فارسی اور سندھی میں ترجمہ ہو چکا ہے

**مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق**

تصنیف: ڈاکٹر اسرار احمد

اشاعت خاص 20 روپے' اشاعت عام 10 روپے

We have guided missiles and misguided men.
*(Martin Luther King)*

# آخرت کے انکار کی بنیادیں

تحریر: جناب رحمت اللہ بٹر۔ ناظم دعوت تنظیم اسلامی' پاکستان

## محاسبۂ اُخروی کے انکار کی بنیادیں

(۱) نسلی امتیاز: بعض انسانوں کو یہ زعم ہے کہ چونکہ وہ کسی خاص نسل سے تعلق رکھتے ہیں' انبیاء و رسل یا اولیاء اللہ کی اولاد سے ہیں' اس لئے ان سے باز پرس نہیں ہوگی اور انہیں بخش دیا جائے گا۔ ان میں سرفہرست تو یہود ہیں لیکن امت مسلمہ میں بھی ایسے افراد کی کمی نہیں۔ قرآن مجید میں یہود کا قول نقل ہوا ہے: ﴿نَحْنُ اَبْنَاءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّاءُهٗ ۝﴾ ''ہم تو اللہ کے بیٹوں کی مانند ہیں اور اس کے چہیتے'' اس لئے کہ ہم انبیاء و رسل کی اولاد ہیں اور ہزاروں نبی ہماری نسل سے آئے ہیں۔ چنانچہ ﴿سَيُغْفَرُ لَنَا﴾ ''ہمیں تو بخش ہی دیا جائے گا'' یا ﴿لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً﴾ ''ہمیں تو آگ نہیں چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن'' اور وہ بھی ہمارے اعمال کی وجہ سے نہیں بلکہ بڑوں سے جو نافرمانی ہوگئی تھی اس کی پاداش میں شاید بنی اسرائیل کو چند دن عذاب دے دیا جائے ـــــ حالانکہ جن کی اولاد ہونے کی بنا پر انہیں یہ مغالطہ لاحق ہوا ہے انہوں نے تو ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ''امام الناس'' کا اعزاز بخشا تو آپؑ نے التجا کی: ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ﴾ ''اور میری ذریت کے لئے بھی یہی وعدہ ہے؟'' تو جواب ملا تھا: ﴿لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ﴾ ''میرا وعدہ ظلم کرنے والوں کے لئے نہیں ہے۔'' قرآن حکیم میں یہودیوں کے مذکورہ بالا دعویٰ کے جواب میں فرمایا گیا ﴿قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ﴾ ''پوچھئے پھر کیوں اللہ تعالیٰ نے تمہیں (دنیا میں) عذاب دیتا ہے تمہارے گناہوں پر' بلکہ تم بھی انسان ہو ان (انسانوں) میں سے جن کو اس نے پیدا کیا ہے۔'' دیکھا جائے تو اگر اس بنیاد پر جزاء و سزا نہ ہونے کا معاملہ ہو تو پھر تو پوری نوع انسانی ہی آخر پیغمبر کی اولاد ہے' لہٰذا اللہ کی چہیتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا انسانوں سے تعلق اور تقرب ان کے رنگ و نسل کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ ان کی ذمہ داریوں اور سیرت و کردار کے اعلیٰ ہونے سے ہے' جیسے اہل کتاب کو مخاطب کرکے فرمایا گیا:

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى يُقِيْمُوا التَّوْرٰاةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾

''اے اہل کتاب! تم کسی بنیاد پر نہیں ہو (یعنی تمہاری کوئی حیثیت نہیں) جب تک تم تورات اور انجیل کو قائم نہیں کرتے اور جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔''

(۲) شفاعت باطلہ: بعض لوگ یہی کافی سمجھتے ہیں کہ چونکہ وہ کسی رسول یا نبی کی امت میں پیدا ہو گئے ہیں اور ان کے ماننے والے ہیں لہٰذا وہ نبی یا رسول ان کو بخشوا لیں گے یا ان سے نسبت کی وجہ سے انہیں بخش دیا جائے گا۔ اس معاملے میں سب سے بڑے مغالطے میں تو عیسائی ہیں کہ جنہوں نے یہ عقیدہ گھڑ لیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے تھے اور وہ سولی چڑھ کر اپنے ماننے والوں کے گناہوں کا کفارہ دے گئے' لہٰذا اب ان کے ماننے والے سب بخشے ہوئے ہیں۔

اُمتِ مسلمہ میں بھی شفاعت باطلہ کا یہی تصور در آیا ہے' اور وہ یہ ہے کہ انبیاء و رسل اور اولیاء اللہ کو اختیار ہوگا کہ جسے چاہیں گے بخشوا لیں گے' حالانکہ قرآن مجید میں تو یہ فرمایا گیا ہے کہ شفاعت کا سارا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کا ہے:

﴿قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝﴾

''فرما دیجئے: ساری شفاعت کا اختیار اللہ کا ہے' اسی کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے' پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔''

اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنے اختیار سے یہ حق عطا کر دے' لیکن قرآن مجید کی رو سے یہ اختیار دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے' جیسے سورہ طٰہٰ میں فرمایا:

﴿يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا﴾

''اس روز (کسی کی) سفارش کچھ فائدہ نہ دے گی مگر اس شخص کی جس کو اللہ اجازت دے اور اس کی بات کو سننا پسند کرے۔''

یعنی جن کے لئے وہ راضی ہوگا ان ہی کے لئے کوئی شخص اس کے اذن سے شفاعت کر سکے گا' کیونکہ وہی جانتا ہے کہ کون اس کا مستحق ہے۔

﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ۝﴾

''وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ اس کے علم پر احاطہ نہیں کر سکتے۔''

قرآن مجید میں جہاں بھی سفارش کا اثبات ہے کہ اُس کے اذن سے شفاعت ہوگی وہاں اللہ کے علم کا لازماً ذکر ہے' تا کہ سفارش کا جو تصور انسانوں کے ذہن میں ہے اس کا مغالطہ نہ رہے۔ دنیا میں اگر کسی کی جائز سفارش بھی کی جاتی ہے تو وہ اس شخص کی بے علمی کی بنیاد پر کی جاتی ہے جس کے پاس سفارش کی جائے۔ مثلاً کسی کے پاس کسی کی ملازمت کے لئے جائز سفارش کریں تو یہی کہا جاتا ہے کہ بھائی! جس صلاحیت کا آدمی آپ کو درکار ہے وہ تمام خوبیاں اس آدمی میں موجود ہیں' آپ اسے نہیں جانتے' میں بخوبی جانتا ہوں' اس لئے آپ سے سفارش کر رہا ہوں کہ اسے اپنے پاس ملازم رکھ لیں' یہ اس کا استحقاق رکھتا ہے۔ اسی طرح کسی جج کے پاس کسی کی بے گناہی کی سفارش ہو تو وہ بھی اسی بنیاد پر ہوتی ہے کہ جج صاحب! آپ جائے وقوعہ پر موجود نہ تھے' میں وہاں موجود تھا اور میں جانتا ہوں کہ یہ شخص بے گناہ ہے' لہٰذا اس کے بارے میں میری سفارش مان لیجئے۔ لیکن آخرت میں ایسی کسی سفارش کی گنجائش نہ ہوگی کیونکہ جس کے حضور شفاعت پیش کرنی ہے وہ خود تمام انسانوں کے ظاہر و باطن سے واقف ہے۔

دنیا میں ایک سفارش تعلقات کی بنیاد پر بھی ہوتی ہے۔ انسان رشتہ داری اور دوستی جیسے تعلقات کی بنا پر بعض لوگوں کی بات کو ٹال نہیں سکتا۔ درحقیقت اس کے پیچھے اصل طاقت انسان کی احتیاج ہی ہوتی ہے کہ اسے دنیا میں انہی لوگوں کے ساتھ زندگی گزارنا ہوتی ہے اور ایک دوسرے سے کام لینا ہوتا ہے' اس لئے اسے بعض لوگوں کی دلجوئی کی خاطر یا ان کا دباؤ قبول کرتے ہوئے سفارش ماننی پڑتی ہے۔ لیکن جان لیجئے اللہ تعالیٰ ان تمام احتیاجات سے پاک ہے جن کے بارے میں انسانی ذہن سوچ سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ کے دوست بھی ہیں' اس کے حبیب بھی ہیں اور خلیل و کلیم بھی ہیں' لیکن اس کی دوستی کی کسی احتیاج

کی بنیاد پر نہیں ہے کہ اگر ان کی بات نہ مانی تو وہ آڑے وقت میں اس کے کام نہ آئیں گے یا اگر وہ ناراض ہو گئے تو اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کی شان یہ ہے:

﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَکَبِّرْهُ تَکْبِیْرًا ۰﴾

"کہہ دیجئے کل شکر اور تمام تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے کسی کو اولاد نہیں بنایا اور نہ ہی اس کی بادشاہت میں اس کا کوئی ساجھی ہے اور نہ اس کا کوئی دوست کسی کمزوری کی بنا پر ہے۔ اس کی کبریائی کو مانو جیسے وہ (خود) بڑا ہے۔"

قرآن مجید شفاعت باطلہ کے اس تصور کی کلی نفی کرتا ہے چنانچہ سورۃ البقرہ میں ذرا سے لفظی فرق کے ساتھ بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے دو مرتبہ فرمایا گیا:

﴿وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ۰﴾

"اس دن سے اپنا بچاؤ کر لو جب کوئی نفس کسی نفس کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ اس کی طرف سے فدیہ قبول ہوگا اور نہ اس کو (اپنے اختیار سے) کوئی سفارش ہی فائدہ دے گی اور نہ انہیں کوئی اور مدد مل سکے گی۔"

پھر اس امت کو مخاطب کر کے بھی یہی بات فرمائی گئی:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ وَالْکٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۰﴾

"اے ایمان والو! خرچ کرو اس میں سے جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے (مال، صلاحیت و مہلت عمر) اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس دن نہ کوئی خرید و فروخت ہو سکے گی، نہ کوئی دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش چلے گی۔ اور (اس دن کو اس طور پر) نہ ماننے والے ہی دراصل ظالم ہیں۔"

یعنی جو اس دن کو اس طور پر سامنے رکھ کر زندگی نہیں گزارے گا وہ اپنے اوپر ظلم کرے گا۔ وہ کسی سہارے کی بنیاد پر عمل میں تو کوتاہی کرے گا لیکن وہ سہارا اس دن اسے نہ مل سکے گا اور یہی بات ہے جو نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو ان الفاظ میں فرما دی:

((کُلُّ اُمَّتِیْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰی)) قِیْلَ: وَمَنْ یَّاْبٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰی))

"میرے سب امتی جنت میں داخل ہوں گے سوائے ان کے جو (جنت میں داخل ہونے سے) انکار کر دیں گے" صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: "اے اللہ کے رسول ﷺ بھلا (جنت میں جانے سے) کون انکار کرے گا؟ آپ نے فرمایا: (میری امت میں سے) جو کوئی میری اطاعت کرے گا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خود (جنت میں داخل ہونے سے) انکار کر دیا۔"

**(۳) اللہ کی شانِ کریمی کے حوالے سے خود فریبی کا شکار ہونا:** کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ بہت رحیم و کریم ہے، وہ بڑا نکتہ نواز ہے لہٰذا وہ تو بس بخش ہی دے گا۔ ہمارے ہاں آج کل قوال حضرات یہی نکتے بیان کر کے لوگوں کو بے عمل بنا رہے ہیں اور انہیں دھوکہ دے رہے ہیں کہ اللہ بہت کریم ہے، وہ تو بس بخشنے کے بہانے ڈھونڈ رہے گا، اس لئے جو جی چاہے کرو، وہ بخش ہی دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ صبح اٹھ کر نہ تو نماز پڑھتے ہیں اور نہ ہی اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہیں، بلکہ صبح سویرے ایک قوالی سن لیتے ہیں اور پھر سارا دن اسی نشے میں مست گزار دیتے ہیں۔ یہی وہ تصور ہے جس کا ذکر سورۃ الانفطار میں کیا گیا ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ ۰ الَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ ۰ فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ ۰ کَلَّا بَلْ تُکَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِ ۰ وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ ۰ کِرَامًا کَاتِبِیْنَ ۰ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۰ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۰ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ۰ یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ ۰ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِیْنَ ۰ وَمَاۤ اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ۰ ثُمَّ مَاۤ اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ۰ یَوْمَ لَا تَمْلِکُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۰﴾

"اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے اس کریم رب کے بارے میں دھوکے میں رکھا، جس نے تجھے پیدا کیا، تیرے اعضاء درست کئے، تجھ کو (مناسب) اعتدال پر بنایا اور جس صورت میں چاہا تجھے ترتیب دیا؟ ہرگز نہیں، بلکہ (اصل مرض یہ ہے کہ) تم جزاء و سزا کو جھٹلانا چاہتے ہو۔ حالانکہ تم پر نگران مقرر ہیں، لکھنے والے معزز (فرشتے) وہ جانتے ہیں جو تم کر رہے ہو۔ (اور وہ یہ ریکارڈ اس لئے بنا رہے ہیں کہ) بے شک نیکوکار نعمتوں والی جنت میں جائیں گے اور بدکار جہنم میں جائیں گے اور پھر اس سے غائب نہ ہو پائیں گے۔ آپ کو کیا خبر کہ وہ جزاء و سزا کا دن کیسا ہو گا؟ اور پھر آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ یوم الدین کیسا ہے؟ وہ دن ایسا ہوگا جس میں کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے بارے میں کوئی اختیار نہیں رکھے گا، اور اس دن تمام تر اختیار اللہ ہی کا ہوگا۔"

حقیقت یہ ہے کہ نیک اور بد ایک جیسے نہیں ہو سکتے اور کراماً کاتبین نے جو اعمال نامے تیار کر رکھے ہیں وہ اس لئے کہ ان کی بنیاد پر نیکوکاروں کو جزاء ملے اور بدکاروں کو سزا اور اس پر خود تمہارا نفس لوامہ گواہ ہے۔

**(جاری ہے)**

## بحضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم

**حافظ لدھیانوی**

درِ اقدس ہے وہ میرے نبی ﷺ کا
بھرا رہتا ہے دامن ہر کسی کا
جو لے آئی ہے شہرِ مصطفیٰ ﷺ تک
نرالا رنگ ہے دیوانگی کا
فضا میں تیرتی رہتی ہے خوشبو
معطر سانس رہتا ہے سبھی کا
عجب ہے بے نیازی سرفرازی
فقیروں پر گماں ہے خسروی کا
کیا ہے ملتفت آقا کو جس نے
بڑا رتبہ ہے میری بیکسی کا
گناہوں سے رہائی مل گئی ہے
عجب اعجاز ہے قربِ نبی ﷺ کا
ہر اک لمحہ رہے وقفِ عبادت
بھروسہ کچھ نہیں ہے زندگی کا
شہنشاہِ زمن ہو یا کہ شاعر
ہر اک لاتا ہے تحفہ عاجزی کا
غزل کا رنگ ہے میری ثنا میں
اچھوتا رخ ہے میری شاعری کا
میں مدحت کے تقاضے جانتا ہوں
مجھے ہے علم اپنی بے بسی کا
[illegible]
[illegible] ہر [illegible] ہے [illegible] کا

میرے ہر سوال کا جواب قرآن مجید نے دیا

# ایک نومسلمہ کا اعترافِ حق

جنوبی بھارت کی اینہ تھامس' جن کا مسیحی نام Annamma Thomas تھا' ایک عیسائی مبلغ کی بیٹی ہیں۔ انہوں نے جب مختلف مذاہب کا تقابلی مطالعہ کیا تو عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کرلیا۔ ان کے قبولِ اسلام کی فکر انگیز روداد بھارت کے ہفت روزہ جریدہ ''ریڈینیس'' میں شائع ہوئی۔ اس روداد کا ترجمہ ہدیۂ قارئین ہے:۔

✿ میں جنوبی بھارت کے ایک پروٹسٹنٹ عیسائی گھرانے میں پیدا ہوئی اور پروان چڑھی۔ میرا باپ شروع میں ایک رومن کیتھولک عیسائی تھا۔ بائبل کی تعلیمات کی روشنی میں انہوں نے رومن کیتھولک عقائد کا جائزہ لیا اور محسوس کیا کہ رومن کیتھولک نہ صرف مورتیوں کی پرستش کرتے ہیں بلکہ اپنے بزرگوں (مقدس ہستیوں مثلاً پادری اور بشپ وغیرہ) کو مشکل کشا سمجھ کر ان سے مدد کے طلبگار ہوتے ہیں۔ بائبل کی تعلیمات رومن کیتھولک عقائد کی نفی کرتی تھیں' اس لئے وہ پروٹسٹنٹ بن گئے۔ بالآخر وہ ایک مقامی چرچ میں فل ٹائم مسیحی مبلغ مقرر کردیئے گئے۔

میں خود بھی ایک متحرک اور خدا پرست عیسائی تھی لیکن اب میں بہت خوش ہوں کہ میں ایک مسلمہ ہوں' میں اتفاقاً مسلمان نہیں بنی بلکہ خوب سوچ سمجھ کر میں نے اسلام کا انتخاب کیا ہے۔ رب کائنات جس نے صحیح راستے یعنی اسلام کی طرف میری رہنمائی کی' اس کا میں جس قدر شکر ادا کروں' کم ہے۔ میرا قبولِ اسلام مختلف مذاہب کے تقابلی مطالعے کا نتیجہ ہے۔ تقابلی مطالعہ نے میری ذہن کو قائل کیا کہ اسلام ہی ایک سچا مذہب اور اللہ تعالیٰ کا آخری دین ہے۔ تقابلی مطالعے سے میں اس نتیجے پر پہنچی کہ رب کائنات اور رب واحد (اللہ تعالیٰ) پر ایمان رکھنے کا تقاضا ہے کہ میں اسلام قبول کرکے مسلمان بن جاؤں' اگرچہ مجھے اس کے لئے سماجی زندگی میں کتنے ہی مسائل کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔

میں ایک سرگرم مبلغہ اور ہیلتھ کیئر کرسچین فیلوشپ کی ممبر تھی۔ یہ تنظیم فیلڈ اسٹاف کے ان افراد پر مشتمل تھی' جنہوں نے اپنی زندگی عیسائیت کے فروغ کے لئے وقف کررکھی تھی۔ ان کی زندگی کا مقصد غیر عیسائیوں میں عیسائی تعلیمات پھیلانا اور انہیں عیسائی بنانا تھا۔ بطور عیسائی میں سوچتی تھی کہ یسوع کی رضا حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ عیسائیت کی تبلیغ کو میں اپنے لئے فرض عین سمجھوں' لیکن بچپن ہی سے میرے ذہن میں عیسائی عقائد بالخصوص ''عقیدہ تثلیث' یسوع کی موت اور ان کا دوبارہ زندہ ہونا'' کے بارے میں کئی سوال جواب طلب تھے۔ بطور عیسائی مجھ سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ عیسائی پادریوں نے مجھے جو کچھ پڑھایا ہے' بالخصوص عہد نامہ جدید کی تعلیمات پر میں اندھا ایمان رکھوں۔ بذات خود بائبل نے مجھے شک میں مبتلا کردیا کہ آیا یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے بھی کہ نہیں' کیونکہ اس کی تعلیمات ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ عہد نامہ جدید کی تعلیمات عہد نامہ قدیم کی تعلیمات کے متضاد ہیں۔ سینٹ پال کی تعلیمات' عیسائیت آج جن کی پیروکار ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں کی تعلیمات کے متضاد ہیں۔

اللہ کا سچا کلام کون سا ہے' عہد نامہ جدید یا عہد نامہ قدیم؟ اس بارے میں' میں ابہام کا شکار تھی۔ اگر دونوں اللہ کے سچے کلام ہیں تو پھر عیسائی عہد نامہ قدیم کے قوانین اور قواعد نامہ قدیم کی تعلیمات کے پابند تھے۔ عقیدۂ تثلیث کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام ''ایک خدا میں تین'' میں سے ایک ہیں تو پھر انہیں تمام دنیا کے گناہوں کی خاطر صلیب پر کیوں مرنا پڑا؟ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ''ایک خدا میں تین'' میں سے ایک ہیں تو پھر کسے خوش کرنے کے لئے انہوں نے صلیب پر مرنا پسند کیا؟ اگر عقیدۂ تثلیث عیسائیت کا اہم بنیادی ستون ہے تو پھر شروع کے عیسائیوں (325ء سے قبل) نے اسے اپنے ایمان کا حصہ کیوں نہ بنایا؟ سینٹ پال جسے عیسائیت کا حقیقی اور سچا بانی تصور کیا جاتا ہے وہ بھی سچے خدا کے بارے میں کچھ نہ جانتا تھا۔

الحمدللہ' اب میں خوش اور مطمئن ہوں۔ میں اعتماد سے کہہ سکتی ہوں کہ قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہر اس سوال کا تسلی بخش جواب دے دیا جو میرے ذہن میں تھا۔ قرآن مجید تو خود ایک معجزہ ہے۔ یہ ایک بے نظیر و بے مثال اور منفرد کتاب ہے۔ اس کی یہ انفرادیت شکوک و شبہات سے بالا ہے کہ کوئی انسانی تخلیق نہیں ہے۔ یہ تو کسی سپر ہستی کی تخلیق کردہ ہے۔ اس کتاب میں انسانی زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کیا گیا ہے۔ کسی فرد کا کوئی ذاتی مسئلہ ہو یا سیاسی یا معاشرتی' قرآن مجید سب کا حل پیش کرتا ہے۔ اس کی سب سے زیادہ حیرت انگیز اور تحسین آفریں خصوصیت یہ ہے کہ 1400 سال سے زیادہ عرصہ سے اس میں کسی حرف تو کجا اعراب تک کی کمی بیشی نہیں ہوئی۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے کہ قیامت تک اس میں کوئی تحریف نہیں ہوسکتی اور وہ خود اس کا محافظ ہے۔ ''رہا یہ ذکر تو اس کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں'' (الحجر:9) ''یہ ایک بلند پایہ قرآن ہے' ایک محفوظ کتاب میں ثبت'' (الواقعہ: 77'78) اس کے بالمقابل بائبل میں مسلسل تبدیلیاں آتی رہیں۔ عیسائی پادری اور اسکالر اس میں جمع تفریق کرتے رہے اور اس میں اس قدر تحریف ہوچکی ہے کہ اسے ہم خدا کا کلام نہیں کہہ سکتے۔

عیسائیوں کی اکثریت بائبل اور اناجیل کی تاریخ سے آگاہ نہیں ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ عہد نامہ میں شامل چاروں اناجیل کے چاروں مصنفین ''مرقس' متی' یوحنا اور لوقا'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری تھے لیکن یہ درست نہیں ہے۔ ان میں سے کوئی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم عصر نہ تھا اور نہ کسی نے براہ راست حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وعظ کرتے سنا۔ چاروں اناجیل 70 عیسوی اور 115 عیسوی کے درمیانی عرصہ میں یونانی زبان میں لکھی گئیں جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان آرامی تھی۔

میں اسلام کے بارے میں کچھ نہ جانتی تھی۔ ایک روز میری ایک مسلمان سہیلی نے مجھے ایم اے نبی کی کتاب ''کرسچین مسلم ڈائیلاگ'' اور احمد دیدات کی Choice: Islam and Christinaity تحفہ میں دیں۔ دونوں کتب میری زندگی میں نکتہ انقلاب ثابت ہوئیں۔ ان کتب کے مطالعہ سے میں نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کے عقیدے کی پشت پر کوئی ٹھوس سچائی ہے۔ اس کے بعد میں نے اسلام اور عیسائیت کا تقابلی مطالعہ شروع کیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک غیر مسلم اسلام کے بارے میں جو تصور رکھتا ہے' اسلام اس سے بالکل مختلف ہے۔ بطور غیر مسلم میرا اپنا یہ خیال تھا کہ مسلمان ایسے متشدد لوگ ہیں جو امن پر یقین نہیں رکھتے اور نہ قادر مطلق اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ مطالعہ کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ اسلام کے تو معنی ہی ''امن'' اور اپنے آپ کو اللہ کی رضا کے حوالے کردینے کے ہیں۔

اسلام سے متعلق میرا مطالعہ جاری تھا کہ بہتر مستقبل کے لئے میں سعودی عرب آگئی۔ یہاں میں نے مسلمانوں اور ان کے طرز زندگی کا نہایت قریب سے مشاہدہ کیا۔ یہاں میں نے محسوس کیا کہ قادر مطلق خدائے حق نے

یہودیوں سے اپنی بادشاہت چھین کر مسلمانوں میں قائم کی ہوئی ہے جیسا کہ یسوع مسیح نے پیشن گوئی کی تھی: "اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائے گی۔" (متی 44'21) ایسا ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بائبل کی کتاب "احبار" میں فرمایا تھا۔

سعودی عرب میں مجھے تقابل ادیان کے مطالعہ کا سنہری موقع ملا۔ لٹریچر اور ویڈیو کیسٹوں کے علاوہ چلتی پھرتی زندہ شہادتوں نے میری بڑی مدد کی۔ یہ زندہ شہادتیں وہ انسان تھے، جنہوں نے سچائی اور دین حق کا راستہ پانے کے لئے بڑی تحقیق اور محنت کی تھی۔ جب انہیں صراط مستقیم مل گیا تو انہوں نے عیسائیت کو خیر باد کہہ کر اسلام قبول کرلیا۔ ان لوگوں کی تحقیق اور تجربے میرے لئے نہایت سودمند اور مشعل راہ ثابت ہوئے۔

اب سب سے بڑا مسئلہ جس کا مجھے سامنا تھا وہ یہ تھا کہ میں اپنے آپ کو صحیح طریقہ سے عبادت کرنے کے قابل نہ پاتی تھی۔ میں یہ تو جان گئی تھی کہ خدائے واحد ہی ہر چیز کا خالق ہے لیکن مجھے یہ یقین نہیں تھا کہ سچا الہ واحد عیسائیت میں ہے یا اسلام میں۔ یہ حقیقت ہے کہ دونوں مذاہب ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں مگر عبادات کا طریقہ بالکل مختلف ہے۔ اب پھر میں کیا کروں؟ یہ سوال مجھے مسلسل پریشان کر رہا تھا۔ میں نے اپنی یہ پریشانی اللہ کے حضور پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے دعا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے گزارش کی: "اے میرے اللہ! میں دعا کے لئے تیرے حضور میں حاضر ہوں، تم سے زیادہ مجھے کوئی نہیں جانتا۔ تم ہی جانتے ہو کہ میں کیا ہوں اور کہاں ہوں، میرے دل میں کیا ہے اور میں کیا چاہتی ہوں، لیکن میں نہیں جانتی کہ تم اسلام اور عیسائیت میں سے کس کو ترجیح دیتے ہو، کس کو پسند کرتے ہو۔ اب میں عیسائی نہیں ہوں کہ عیسائیت میں "خدا کے تصور" کے بارے میں ذہن میں شکوک و شبہات پیدا ہو چکے ہیں اور نہ میں مسلمانوں ہوں کہ میں ایک مسلمہ کی طرح زندگی نہیں گزار رہی۔ اے میرے اللہ! صحیح مذہب کے انتخاب میں میری رہنمائی فرما، میں صرف سچائی کی تلاش میں ہوں اس لئے مجھے گمراہ ہونے سے بچا لے۔ اگر مذہب عیسائیت سچا ہے تو پھر مجھے اس پر جما دے اور اس کے بارے میں میرے ذہن میں جو شکوک و شبہات ہیں وہ دور کردے۔ اگر اسلام سچا ہے تو پھر اس کی سچائی کی توثیق کر اور میرے دل میں اس کو مستحکم کردے۔ میری مدد کر اور میرے اندر اس قدر جرات پیدا کردے کہ میں اپنے مستقبل کے دین کے طور پر اسے قبول کرلوں۔"

قرآن و بائبل کے تقابلی مطالعہ اور خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعائے اسلام کی طرف مائل میرے دل کو تقویت بخشی اور میں اندر ہی اندر مسلمان ہوگئی۔ میں نے مسلمانوں کی طرح نماز پڑھنی شروع کردی۔ پوری نماز کے دوران میں، میں نے محسوس کیا کہ اسلام کی سب سے زیادہ پرکشش چیز نماز ہی ہے۔ عیسائیت کی نماز میں ایک عیسائی یسوع مسیح کے واسطے سے اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرتا ہے لیکن اسلام میں نماز کا مطلب ہے کہ دنیا کے تمام امور سے کٹ کر خدائے بزرگ و برتر کی حمد و ثناء اور بڑائی بیان کرنا، اس کے انعام و اکرام پر اس کا شکر ادا کرنا۔ صرف اللہ ہی جانتا ہے کہ کونسی چیز ہمارے لئے مفید اور سودمند ہے اور وہی ذاتِ یکتا ہماری تمام ضروریات پوری کرتی ہے۔

1421ھ کے رمضان المبارک کا بھی میں نے مشاہدہ کیا۔ میں تو اسے ایک معجزہ ہی تصور کرتی ہوں کیونکہ میرے خیال میں مسلمانوں کی طرح روزے رکھنا میرے لئے ناممکن تھا۔ میں نے تجربے کے طور پر روزے رکھنے شروع کئے کہ جان سکوں کہ آیا میں اسلام کے احکام پر عمل کرسکوں گی یا نہیں۔ الحمدللہ! پورے تیس روزے رکھنے میں، میں کامیاب رہی۔ تاہم میں نے اب بھی روایتی طریقہ سے اسلام قبول نہ کیا۔ کیونکہ میں اپنی فیملی اور سہیلیوں کے ممکنہ ردعمل کے خوف میں مبتلا تھی۔ میں سوچتی تھی کہ کہیں وہ مجھے اپنے آپ سے دور نہ کریں اور میں تنہا نہ ہو جاؤں۔ اس خوف کے باوجود سورۃ التوبہ کی آیات 23 اور 24 کے مطالعہ نے مجھے اسلام قبول کرنے کا اعلان کرنے پر مجبور کر دیا کہ ایک سچے مسلمان کے لئے اس خوف کی کوئی حیثیت نہیں ہونی چاہئے۔ مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اگر تمہارے باپ اور تمہارے بھائی ایمان کے مقابلے میں کفر کو عزیز رکھیں تو ان کو اپنا رفیق نہ بناؤ اور تم میں سے جو انہیں رفیق بنائیں گے تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔ اے پیغمبر! مسلمانوں سے کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہاری برادری اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے ماند پڑ جانے کا تم کو اندیشہ ہے اور وہ مکانات جو تمہیں پسند ہیں۔ (اگر یہ ساری چیزیں) اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں باز رکھیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ کا مقررہ قانون ہے کہ وہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔"

ان آیات کے مطالعہ سے میں نے محسوس کرلیا کہ اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی طرف میری رہنمائی کردی ہے اور اب عیسائیت کی طرف دیکھنا میرے لئے اچھا نہ ہوگا۔ الحمدللہ! 12 ذیقعد 1421ھ (6 فروری 2001ء) کو اسلامک ایجوکیشن سینٹر طائف میں، میں نے کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ میں اللہ تعالیٰ کی شکر گزار ہوں جس نے میری رہنمائی کی اور جس کی رحمتوں کے باعث آج میں مسلمان ہوں۔

قبول اسلام سے قبل اور بعد میں مجھے بے شمار مسائل کا سامنا کرنا پڑا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی تنقید اور دیگر مشکلات کا مقابلہ کرنے کی میرے اندر ہمت پیدا کردی اور دین اسلام پر مجھے استقامت دی۔ الحمدللہ!

## تمہیں حُبِّ دنیا نے غافل کیا

(سورہ "تکاثر" کی روشنی میں)

تمہیں حُبِّ دنیا نے غافل کیا — تو بڑھ چڑھ کے دنیا کو حاصل کیا
ہوئی جبکہ دنیا کمانے کی دھن — لگا زندگی میں تمہاری وہ گھن
کہ جا پہنچے دنیا سے تم گور تک — نہ غفلت پہ تم نے کیا غور تک
لگے گا تمہیں اِس کا اُس دن پتہ — کہ آئے گا جس روز، روز جزا
کہ غفلت کی تم کو ملے گی سزا — کہ آ جائے گا سامنے جو تھا کیا
تو نارِ جہنم نظر آئے گی — وہ جس کی تمہیں کچھ نہ پروا تھی
تمہیں اس گھڑی پھر یقیں آئے گا — یقیں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوا
یہ احساس ہو گا تمہیں اس گھڑی — جہنم بھی کیسی جگہ ہے بری
تو پھر تم سے ہو گا حساب و کتاب
تمہیں نعمتوں کا ہے دینا حساب

(نثار عباسی)

## قرآن کالج میں دو زبانی تقریری مقابلہ

آج یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ طلباء کو اگر نصابی تعلیم کے ساتھ ساتھ غیر نصابی تعلیم نہ دی جائے تو ان کی اکثریت عملی زندگی میں ناکام رہتی ہے۔ غیر نصابی سرگرمیوں سے طلباء کی خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہوتی ہیں۔ مضبوط قوت ارادی کے ساتھ ساتھ خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔ شعور پختہ ہوتا ہے اور ان کے کردار کی بہتر تعمیر ہوتی ہے۔ غیر نصابی سرگرمیوں کی اسی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے یکم نومبر 2003ء کو قرآن کالج میں ایک دو زبانی تقریری مقابلے کا اہتمام کیا گیا۔ اس تقریب کی صدارت محترم حافظ عاکف سعید امیر تنظیم اسلامی و ڈائریکٹر قرآن کالج نے کی۔ جبکہ مہمان خصوصی محترم ڈاکٹر ابصار صاحب اور ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ چیف ایڈیٹر ماہنامہ کوثر تھے۔ تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا' جس کی سعادت حافظ خبیب سرور طالب علم سال دوم نے حاصل کی۔ اس کے بعد سال اول کے طالب علم حافظ احسن نعیم نے حمد باری تعالیٰ پیش کی۔

جو ملے حیات خضر مجھے اور اسے میں صرف ثناء کروں
تیرا شکر پھر ادا نہ ہو تیرا شکر کیسے ادا کروں

حمد کے بعد سال اول ہی کے طالب علم زوہیر افضال نے نعت رسول مقبول ﷺ پیش کی۔

نہ میرے سخن کو سخن کہو' نہ میری نوا کو نوا کہو
میری جاں کو صحن حرم کہو' میرے دل کو غار حرا کہو

نعت رسول مقبول کے بعد صدر مجلس سٹیج پر تشریف لائے' انہوں نے کہا کہ اس تقریب کے انعقاد کا بڑی دیر سے اور بڑی شدت سے انتظار تھا۔ تقریری مقابلہ میں ہی پتہ چلے گا کہ کون کتنی تیاری کر کے آیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ انشاء اللہ بہت جلد انٹر کالجیٹ کی سطح پر بھی ہم اس طرح کے مقابلوں کا انعقاد کریں گے۔

اس تقریب میں قرآن کالج کے چاروں گروپس' سرسید ہاؤس' ٹیپو ہاؤس' جناح ہاؤس اور اقبال ہاؤس کے طلباء نے بھرپور شرکت کی۔ صدر مجلس کے خطاب کے بعد تقریری مقابلہ شروع ہوا۔ اردو تقاریر میں ٹیپو ہاؤس کے اسد عباسی نے جہاد' اقبال ہاؤس کے عادل شعبان نے تعلیم نسواں' سرسید ہاؤس کے حامد سجاد طاہر نے مقاصد حصول تعلیم اور جناح ہاؤس کے حافظ عابد محمود نے پاکستان کو نا قابل تسخیر کیسے بنایا جا سکتا ہے کے موضوع پر تقریر کی۔

جبکہ انگلش تقریری مقابلے میں جناح ہاؤس کے حافظ حسین عاکف نے (Role of women in Islam) اقبال ہاؤس کے اعظم عبدالستار نے (Two Nation Theory) سرسید ہاؤس کے محمد نصیر نے (Democracy in Pakistan) اور ٹیپو ہاؤس کے جاوید اقبال نے Wealth can bring physical comfort but not spiritual happiness کے موضوع پر تقریر کی۔

مقابلے کے جج صاحبان نتیجہ مرتب کرنے میں مصروف ہو گئے۔ اس دوران سال دوم کے طالب علم حافظ وقاص حسین نے کلام اقبال

خودی کا سر نہاں لا الٰہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لا الٰہ الا اللہ

بڑے پرسوز انداز میں سنایا۔ اس کے بعد سال دوم ہی کے طالب علم خضر بن دوست نے اپنی پرسوز آواز میں نعتیہ کلام سنایا۔ اس عرصے میں جج صاحبان نے نتیجہ مرتب کر لیا۔ نتائج کے مطابق اردو تقریر میں حامد سجاد طاہر (سرسید ہاؤس) اول جبکہ حافظ عابد محمود (جناح ہاؤس) دوم پوزیشن کے حقدار ٹھہرے۔

انگلش تقریر میں جاوید اقبال (ٹیپو ہاؤس) اول جبکہ محمد نصیر (سرسید ہاؤس) دوم قرار پائے۔ مہمان خصوصی ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ نے اپنے خطاب میں کہا کہ مجھے بہت شوق تھا کہ آپ کے کالج میں حاضر ہو سکوں۔ اب حافظ عاکف سعید کی دعوت پر میں آپ کی اس تقریب میں حاضر ہوں اور دلی خوشی محسوس کر رہا ہوں کہ میں ایسے کالج میں آیا ہوں جس میں سب سے بہترین پڑھائی ہو رہی ہے۔ صرف جان اور جسم پر اثر انداز ہونے والے علوم تو سب پڑھا رہے ہیں مگر آپ وہ خوش نصیب ہیں جو روح پر اثر انداز ہونے والا علم یعنی قرآن کا علم بھی ان علوم کے ساتھ ساتھ یہاں سے حاصل کر رہے ہیں کیونکہ اس دور میں اصل ضرورت ایمان کی ہے اور اصل ایمان قرآن ہی سے آ سکتا ہے۔ اس کے بعد محترم ڈاکٹر ابصار احمد صاحب نے طلباء سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ مجھے اس تقریب میں آ کر بڑی خوشی ہوئی۔ طلباء نے بڑی اچھی تیاری کی تھی۔ بڑے اچھے موضوعات پر بات ہوئی اور جو بھی موضوعات پیش کئے گئے بہت ہی با مقصد تھے۔ آپ خوش قسمت ہیں کہ دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی آپ کو یہاں دی جا رہی ہے جو کہ با مقصد تعلیم ہے۔ میں کالج انتظامیہ کو ایسی اچھی تقریب منعقد کرنے پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

اس کے بعد انگلش اور اردو تقاریر میں اوّل' دوم آنے والے طلباء میں مہمانان خصوصی نے انعامات تقسیم کئے اور یوں یہ پروقار تقریب اپنے اختتام کو پہنچی۔ (مرتب: محمد اعجاز' قرآن کالج)

## اسرہ کینٹ (کوئٹہ) کے زیر اہتمام دورۂ ترجمۃ القرآن کا پروگرام

بانی تنظیم محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے ویڈیو کیسٹ کے ذریعے یہ پروگرام 25 اکتوبر بروز اتوار سے شروع ہو چکا ہے۔ اس پروگرام کی خاص بات یہ ہے کہ اس سے منسلک تجوید کی کلاس بھی ہوتی ہے۔ جسے رفیق محترم عبدالسلام عمر صاحب لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن مجید کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین!

(سلیمان قیوم' کوئٹہ)

## موضع دیوئی ضلع سوات میں دعوتی پروگرام

ہمارے منفرد رفیق جناب عمر فاروق صاحب کی دعوت پر اُن کے گاؤں دیوئی محلہ دربار ڈھیری ضلع سوات کے مقام پر ایک بھرپور پروگرام مورخہ 24 اکتوبر 03ء کو ہوا جس کے لئے ناظم تربیت جناب غلام اللہ حقانی صاحب کے ساتھ راقم بھی ہمسفر تھا مغرب کے وقت عمر فاروق صاحب کے ہاں پہنچے ان کی ٹیلرنگ کی دکان ہے وہاں سے جا کر محلہ کی جامع مسجد کے خطیب سے خطاب کی اجازت لی اور عشاء کے بعد راقم کے اعلان پر تقریباً 60,70 افراد کے مجمع نے ناظم دعوت کا خطاب بڑی دلجمعی سے سنا آپ نے قصۂ آدم و ابلیس سے حق و باطل کی کشمکش پر روشنی ڈالی اور دجالی فتنے کے نشانات بتا کر اس سے نکلنے کی راہ بتائی کہ اس فتنے سے قرآن کی روشنی میں نکل سکتے ہیں اور اکیلا نکلنا ممکن ہے جب تک ایک تنظیم اور انقلابی جماعت نہ ہو۔ اس جماعت کے خدوخال واضح کرتے ہوئے حقانی صاحب نے کہا کہ ہمیں ضرور کسی جماعت میں شامل ہو کر اس فتنے کی روک تھام کے لئے کوشش کرنی چاہئے اور میں جس جماعت کے پلیٹ فارم سے آپ سے مخاطب ہوں وہ تنظیم اسلامی پاکستان ہے جس کے بانی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور امیر حافظ عاکف سعید صاحب ہیں۔

تقریباً 45 منٹ کے اس خطاب کو سامعین نے پوری توجہ سے سنا۔ صبح نماز فجر کے بعد آپ نے سورۃ فاتحہ کا درس دیتے ہوئے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ قرآن کی حکمت اور فلسفے کا نچوڑ اور انسان کے اندرونی کیفیات اور شکر کے جذبے کو اللہ تعالیٰ نے اپنے الفاظ کا جامع پہنایا ہے اور اس میں توحید' معاد اور رسالت کا مضمون بیان ہوا ہے جو ایمان کی بنیاد ہے یہ درس 30 منٹ تک جاری رہا اور تقریباً 40 افراد تشریف فرما تھے۔ (مرتب: احسان الودود' تیمر گرہ)

## رپورٹ رواں تنظیمی سال کی آخری مبتدی تربیت گاہ

تنظیم اسلامی کا ''تنظیمی سال'' شمسی تکوین کے مطابق طے ہے۔ چنانچہ رواں سال (2003ء) کی آخری مبتدی تربیت گاہ 12 تا 18 اکتوبر مرکزی دفتر تنظیم اسلامی گڑھی شاہو میں منعقد ہوئی۔

یہ تربیت گاہ دو اعتبارات سے خصوصی تذکرے کی متقاضی ہے۔

اولاً تعداد شرکاء کے حوالے سے اس تربیت گاہ میں 35 رفقاء اور 10 احباب نے شرکت کی گویا کل تعداد 45 ہوگئی۔ یہ بڑی حوصلہ افزاء بات تھی کہ رفقاء نے رواں سال کے اس آخری موقع کو غنیمت جانتے ہوئے خصوصی توجہ کی۔

ثانیاً اس تربیت گاہ میں بہت سے نئے مدرسین و مقررین سے استفادہ کیا گیا۔ چنانچہ تنوع اور دلچسپی میں اضافہ ہوا۔

تربیت گاہ کا آغاز ناظم تربیت شاہد اسلم صاحب کے خیر مقدمی کلمات سے ہوا۔ تربیت گاہ کی غرض و غایت اور روزانہ کے معمولات سے آگاہ کیا گیا۔ نیز شرکاء کا تعارف ہوا۔

روزانہ کے معمولات کا آغاز تہجد سے ہوتا رہا۔ بعد نماز فجر درسِ قرآن کی مختصر نشست ہوتی تھی۔ مدرسین میں ناظم تربیت کے علاوہ محمد منیر احمد صاحب (امیر حلقہ بہاولنگر)' رحمت اللہ بٹر صاحب' قاری عنایت اللہ صاحب' محمد اشرف وصی صاحب اور جناب شاہد رضا صاحب شامل تھے۔

دیگر موضوعات اور مقررین حضرات کے اسماء گرامی کچھ یوں ہیں۔

| | |
|---|---|
| ایمان باللہ' ایمان بالرسالت' اسلامی رسومات عبادات' | |
| انقلابی کارکنوں کے اوصاف (5 لیکچر) | رحمت اللہ بٹر |
| انفاق فی سبیل اللہ | قاری عنایت اللہ |
| علم کی فضیلت اور قرآن حکیم | انجینئر محمد علی |
| نظم جماعت میں بیعت کی اہمیت | ڈاکٹر عبدالخالق |
| ہم عصر تحریکوں میں دعوت کا کام کیسے؟ | عبدالرزاق |
| عبادت' شہادت' اقامت دین | رشید ارشد |
| تزکیۂ نفس | انجینئر حافظ عبداللہ محمود |
| اجتماعیت میں ایثار کی اہمیت۔ 2 نشستوں میں دستور تنظیم کا مطالعہ | شاہد اسلم |
| فکرِ تنظیم اسلامی (مذاکرہ) | محمد اشرف وصی |
| قراردادِ تاسیس | امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید |

اس کے علاوہ بانیٔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے لیکچرز بذریعہ ویڈیو۔ تنظیم اسلامی کا انقلابی منشور (6 لیکچرز) اور جہاد فی سبیل اللہ بھی دکھائے گئے۔

تربیت گاہوں کا یہ سلسلہ انتہائی مفید ہے کہ اس کی وجہ سے ہمیں تنظیم کے انقلابی فکر سے بھرپور آگاہی کے ساتھ ساتھ عبادات کا شغف' دین کی اخلاقی تعلیم اور معاملات کی اہمیت سے نہ صرف آگاہ کیا جاتا ہے بلکہ عملی تربیت کا موقع بھی فراہم ہوتا ہے۔

جو رفقاء ابھی تک اس تربیت گاہ سے نہیں گزرے' میرا مشورہ ہے کہ وہ جلد از جلد اس کا اہتمام کریں وہ ضرور محسوس کریں گے کہ اس سے انہیں کتنا کچھ فائدہ ہوتا ہے۔ (رپورٹ: محمد عابد)

## تنظیم اسلامی بیبیوڑ کا دعوتی پروگرام بمقام ڈوڈبا

موضوع ڈوڈبا دریائے کوہستان اور دریائے دیر کے وسط میں ایک خوبصورت جگہ پر واقع ہے' ڈوڈبا کا اصل نام دوآبہ ہے۔ جو بگڑ کر ڈوڈبا بنا ہے۔ ڈوڈبا کے دو احباب نصیر اللہ خان اور حبیب اللہ خان جو ''ندائے خلافت'' کے مستقل قارئین ہیں اور امداد پاچہ جو کہ تجارت کے پیشے سے وابستہ ہے۔ تینوں خواہشمند تھے کہ مولانا غلام اللہ حقانی کا ایک پروگرام اپنی مسجد میں رکھا جائے۔ راقم نے مولانا سے رابطہ کیا۔ تو مولانا صاحب نے فوراً ہاں کر دی۔ لہٰذا 11 اکتوبر 2003ء ظہر سے پہلے مولانا بیبیوڑ پہنچے۔ بعد از نماز ظہر جامع مسجد اقصیٰ بیبیوڑ میں ''حزب اللہ اور حزب الشیطان'' کے موضوع پر خطاب کیا۔ تقریباً بیس افراد نے خطاب کو غور سے سنا۔ مولانا صاحب کو نمازِ عصر سے پہلے ڈوڈبا پہنچنا تھا۔ لہٰذا راقم اور مولانا نماز عصر سے پہلے جامع مسجد ڈوڈبا پہنچے۔ جہاں پر نصیر اللہ خان' حبیب اللہ خان اور امداد پاچہ ہمارے انتظار میں تھے۔

انہوں نے نہایت گرم جوشی سے ہمارا استقبال کیا۔ مولانا نے بعد از نماز عصر امت مسلمہ کی زبوں حالی پر ایک جامع خطاب کیا۔ جسے 50 افراد نے جم کر سنا۔ خطاب کے بعد چائے پلائی گئی۔ مغرب سے پہلے اسرہ دیر سے سعید صاحب اور شریف اللہ گنوڑی' اسرہ سے اائق سید' بیبیوڑ سے عالم زیب' راحت اللہ' حمید اللہ' حیات اللہ اور نیک محمد گاؤں انکار سے غلام خان صاحب اور ڈرائیور معتبر خان پہنچے۔ بعد از نماز مغرب مولانا نے امت مسلمہ کی زبوں حالی کے موضوع کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ امت مسلمہ کا زوال سے بچنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ ہر شخص انفرادی توبہ استغفار کرے اور باہم مل کر اجتماعی سطح پر اللہ کے عطا کردہ نظام عدل وقسط کو قائم کرنے کے لئے جدوجہد کریں اور اس کے لئے نبی اکرم ﷺ کا طریقہ کار اختیار کریں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ پھر ہماری مدد فرمائیں۔ خطاب کو تقریباً سو افراد نے سنا۔ خطاب کے بعد نصر اللہ خان صاحب نے تمام افراد کی پُر تکلف ضیافت کی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کا اجر عطا کریں۔ نماز عشاء کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوئی۔ مولانا صاحب نے سوالات کے تسلی بخش جوابات دیئے اس کے ساتھ ہی پروگرام اختتام کو پہنچا۔ رفقاء اور احباب اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔ (مرتب غلام خان' ممتاز بخت' امیر تنظیم بی بیوڑ)

## دعوتی خطاب بمقام باجوڑ

پچھلے ماہ ستمبر 2003ء مولانا غلام اللہ حقانی صاحب کے دورے کے موقع پر الہدیٰ کتب و کیسٹ لائبریری باجوڑ میں مورخہ 27 ستمبر بروز ہفتہ بوقت دو بجے سہ پہر ایک دعوتی اجتماع منعقد ہوا' جس میں مولانا غلام اللہ صاحب نے ''مغربی دجالی تہذیب کی تباہ کاریاں اور اس کے لئے اسلامی لائحہ عمل'' کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ مولانا موصوف نے اس موضوع پر تقریباً ایک گھنٹہ خطاب کیا۔ پروگرام کے لئے تقریباً پچاس افراد کو خطوط ارسال کئے گئے تھے اور شہر کی مساجد میں پوسٹر لگائے گئے تھے۔ پروگرام میں تقریباً 35 افراد نے شرکت کی۔ (رپورٹ: محمد نسیم قاضی)

## دعائے مغفرت

تنظیم اسلامی فیصل آباد کے سینئر رفیق حافظ ارشد علی صاحب کے والد محترم انتقال فرما گئے ہیں۔ قارئین ندائے خلافت سے ان کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

ایبٹ آباد سے ندائے خلافت کے ایک قاری عارف راز کی والدہ صاحبہ 21 اکتوبر کو قضائے الٰہی سے انتقال کر گئی ہیں۔ رفقاء و احباب سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

## تنظیم اسلامی حلقہ سرحد شمالی کے دورہ ترجمۃ القرآن کے پروگرام

| مقام | مدرس | وقت |
|---|---|---|
| اوچ | مولانا غلام اللہ خان حقانی | 1 تا 3 بجے بعد دوپہر |
| تیمر گرہ (حلقہ دفتر) | محترم بانی تنظیم اسلامی (بذریعہ ویڈیو) | 2 تا نماز عصر |
| اسرہ امیر کس دیر | محترم بانی تنظیم اسلامی (بذریعہ ویڈیو) | 3 تا نماز عصر |
| بی بیوڑ | محترم بانی تنظیم اسلامی (بذریعہ آڈیو) | بعد از تراویح (2 گھنٹے) |

چونکہ باقی تناظیم اور اسرہ جات کی طرف سے تا حال کوئی جواب نہیں آیا ہے لہٰذا فی الحال ان چار جگہوں ہی پر دروس قرآن ہوں گے اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے آمین! (شاہ وارث)

# Disciplinary Laws of Sex in Islam

There is a change in the sex life of Adam, Eve and their progeny. Most species of animals reproduce in certain periods determined by a biological clock. For them the presence of apposite sex and nakedness of genitals is of no sexual interest. In the breeding season the opposite sex or mate (zauj) is attracted and stimulated by the biological mating signals peculiar to each specie. However, human beings produce sex gametes all the year round and the very presence and sight of the opposite sex, particularly a female, can be stimulating and tempting. Exposure and nakedness are inviting and the mating signals have assumed the form of subtle bilateral communication and hints in which eyes can play a very seductive role (Al Quran, 40:19). The human beings are gifted with deliberate sex but at the same time strict restrictions have been placed by the Quran against sex out of wedlock against marriage within prohibited degree. Fornication, adultery and homosexuality are major sins and crimes punishable heavily in this world and the life hereafter. Free sex creates serious health hazards, destroys family system and it leads to incest. This is why those who obey Quranic instructions and the communities that care to preserve moral values insist on the segregation of sexes as far as possible, and for non-inviting bearing and non-revealing dress of women. To shield human beings against their ever present, sublimated and subliminal mating signals, it is enjoined that the believing men and women should lower their gaze and guard their private parts (chastity). The women are further directed that in public they should draw their veils over their bosoms and should not sway their legs in walking lest attention is drawn to their concealed charms. They should cast their outer garments (shawls) over their persons (Al Quran, 24:30,60,33:32,59). The rise and fall of civilizations has been associated with the attitude of societies towards sex discipline. Permissiveness, lewdness and perversity in sex life invite the fall and destruction of civilizations.

(An Excerpt Taken from "THE TRUTH" by Siddeeq Ahmad Nagrah)

---

## بھارت سے ایک اچھی خبر

(جناب محمد ابراہیم انصاری کا خط جناب پی اے انعامدار کے نام)

From:
M.I. Ansari
Member, The Academic Council,
Yashwantrao Chavan Maharashtra
Open University
Marble Mines Agra Rd, Narpoli,
BHIWANDI-421305, Dist, Thane
(Mumbai)

To
Mr. P.A. Inamdar,
Maharsashtra Cosmopolitan Education Society
PUNE-1 (Maharashtra)

Dear Inamdar Sahib,
Assalam-o-Alaikum

I am most happy to learn about your inaugurating a unique event of showing Video Cassettes of Lectures on Islamic Teachings by great scholars like Dr. Israr Ahmed and Mulana Mujahidul Islam Qasimi ® on a big screen after Namaz-e-Taravih, throughout the holy month of Ramadan at the vast ground of the H.G. Azam Educational Complex.

It is a maevelous idea, only a man of a deep forsightedness can think of.

We are guilty of not revealing the great teachings of Islam to the people and therefore the communal, chauvinist and narrow-minded elements are spreading the misunderstandings. Unfortunately, a large number of Muslims are also ignorant of the fundamentals of their own religion. They will also be benefited by attending the Video Lectures you have arranged.

(M.I.Ansari)

# A Secular or Islamic Pakistan

## By: Dr. Israr Ahmed

It has been 56 years since the creation of Pakistan; however, to this day, the uncertainty of our future and the state of indecision regarding our *raison d'etre* foresee no end. The greatest evidence of this predicament is the present debate concerning the basis for the creation of Pakistan – was it Islam or a secular, geographical "comfort zone" to safeguard the politico-economic interests of the Indian Muslim minority?

The prime cause of this state of affairs is the breach of our covenant with Allah (SWT); that is, we created Pakistan to establish the Just Social Order of Islam in order to present to the world a model Islamic state – exemplified by the slogan of "What is the meaning of Pakistan – There is no God but Allah". Unfortunately, we have done everything but to live up to our promise, and, in the process, have blemished and degraded Islam.

The most important question in this debate is: is there any basis, other than religion, through which we can strengthen Pakistan and become a unified, well-knit nation. To answer this question, let us contemplate over the usual factors that strengthen a nation and, at the same time, decipher which of these factors is available for the strengthening of Pakistan.

The first of these factors is termed the "historical factor"; that is, if a country has been present in the world, for a long period of time, with the same designation and borders, then this lends it a sort of a "historical sanctity". The historical sanctity then secures to strengthen the nation. China, for example, has been present for a very long time and its name and borders have been, more or less, the same throughout. In case of Pakistan, however, no such "historical factor" exists.

The second factor, in strengthening a nation, is its geographical location; that is, a country with natural geographical borders serves to create a sense of nationhood among its citizens. From this point of view, the Pakistan of 1947 was divided onto two parts and between them was no natural barrier, but a perp[illegible]. As for the currently existing Pakistan, while it does have natural boundaries in its north, south and west, however, on its longest border, in the east, there is no natural geographical border. In fact, if it was not for the artificial barbed-wire "border", it would be difficult to distinguish where one country ends and the other begins.

The third factor, in our discussion, is related to the "human sentiments". In this connection, there is no denying the fact that, if people of a nation become imbued with sentiments or some motivating factor, they can indeed defeat history and geography. The human sentiments are of two types: ethnic and religious.

As for the ethnic factor, two examples are: German nationalism and Jewish nationalism. The Germans view themselves as a superior race, and this has created in them such an emotional fervor that, before our very eyes, Germany was destroyed twice and each time it was able to stand on its own feet. Likewise, the Jewish notion of being the beloved and the "chosen people of the Lord" has imbued them with a commendable resilience, as a result, they have been able to withstand the strongest of obliterating assaults. Whenever they were exiled or thrown out of one land, they soon established themselves firmly elsewhere. On this front too, Pakistan lacks a "gluing bond". Reason being: the Indian sub-continent is one of the largest melting-pots of ethnicities, and Pakistan, carved out of the Indian subcontinent, is a microcosmic melting-pot of the subcontinent. As such, Pakistan comprises of many different ethnicities such as Balochs, Punjabis, Mangols and Afghans, etc. Consequently, there is no one ethnicity in such a large number that it can strengthen the nation on ethic lines.

After ethnic nationalism, the second most significant human sentiment is linguistic nationalism of which two examples are most prominent: Arab nationalism and Bangla nationalism. A closer look reveals that linguistic association is a strong potent force that bonds people together; it creates a form of linguistic pride. From this angle, although Urdu is the most widely spoken language in Pakistan, its extent is not of a caliber that it may be used as a basis of national pride or linguistic nationalism; an evidence of this is that, to this day, we have not been able to solve the issue of our national and official language.

Yet another basis of bringing a nation together is the concept of civic or territorial nationalism. Without a doubt, this form of nationalism is at a higher level than the previous ones. Civic nationalism is formed on the basis of a nation-state; whosoever becomes a citizen of a nation state, becomes a part of the national community that transcends ethnic and linguistic differences. In the case of Pakistan, again, the idea of civic nationalism cannot take root for the simple reason that Pakistan was established by rejecting the very concept of civic nationalism. The "Two Nation Theory" is the very anti-thesis of civic nationalism. Hence any promotion of such an idea can only gnaw away our roots but never consolidate our nation.

The last thing to note in this regard is: if territorial or land-based conceptions are to be made the basis of nationalism, then such a concept can only create dissension. For, such an idea is similar to an animal that nurtures its enemy with its own milk. Hence, territorial nationalism bears the seeds of its own destruction – such as Provincialism. Consequently, in Pakistan, promotion of Civic Nationalism shall, in turn, promote Sindhi Nationalism and Baloachi Nationalism but never bond the nation into a unified whole.

The conclusion of our discussion thus far is plain and simple: conceptions of nationalism based on territory, history, language and/or ethnicity can only spell disaster for the national solidarity of Pakistan. Therefore, there is only one potent force that can promote and strengthen national sovereignty in Pakistan and that is religion – the only common factor among all Pakistanis.

The last point to note in this discussion is that the type of religious sentiments or affiliation that can strengthen our nation is different than the one required to create Pakistan. That is before the Partition, the conflict was between Muslims and non-Muslims, hence, a religious affiliation with Islam, even it be in name only, was enough to bring Muslims together. However such a loose affiliation is not acceptable or viable after Partition; for now the conflict is between Muslims on both sides. In this scenario then, the religious affiliation has to be both in letter and spirit. Only this type of true and practical relation with Islam can strengthen our national solidarity. Towards this end, it is essential that, without wasting any more time, we establish in Pakistan, the Just Social Order of Islam – the very *raison d'etre* of this nation.